وقد اخذ میثاقکم ان کنتم مؤمنین

ماہنامہ

# میثاق

لاہور

ستمبر ۱۹۷۷ء

☆

مدیر مسئول

**ڈاکٹر اسرار احمد**

☆

شائع کردہ

**مرکزی مکتبہ تنظیم اسلامی**

۳۶ - کے ، ماڈل ٹاؤن ، لاہور

چندہ سالانہ -/۱۵ روپے — قیمت فی نسخہ [illegible]

# عرض حوال

'میثاق' کا یہ شمارہ لیٹ ہونے کے باوجود ان شاءاللہ رمضان المبارک ہی کے دوران قارئین کے ہاتھوں میں پہنچ جائے گا۔ رمضان المبارک نزول قرآن کا مہینہ ہے اس مناسبت سے یہ اشاعت تقریباً کل کی کل مطالعہ قرآن حکیم ہی پر مشتمل ہے۔

ع ''گر قبول افتد زہے عز و شرف۔''

ملکی حالات میں عظیم انقلاب برپا ہوچکا ہے۔ کل کے حاکم آج کے اسیر ہیں اور کل کے ممدوح آج کے ملوم و مطعون، اگرچہ ان کے لیے ابھی موقع ہے کہ زبان حال سے کہیں:

اور بھی دور فلک ہیں ابھی آنے والے ناز اتنا نہ کریں ہم کو ستانے والے

اور واقعہ یہ ہے کہ کسی نئے اور تباہ کن ''دور فلک'' کا اندیشہ شدید سے شدید تر ہوتا چلا جا رہا ہے۔ ۷۰ء میں فوج کے زیر انتظام منعقد ہونے والے پہلے 'آزاد و غیرجانبدار' انتخابات کے بارے میں لندن کے کسی روز نامے نے پیشگی کہا تھا

"The First and Perhaps the last General Elections in Pakistan".

اور ہماری بدقسمتی سے وہ واقعی متحدہ پاکستان کا آخری الکشن ثابت ہوا۔ اب اندیشہ ہے کہ فوج کے زیر اہتمام اکتوبر ۷۷ء کے دوسرے 'آزاد و غیرجانبدار انتخابات' خاکم بدہن، اس بچے کھچے پاکستان کے بھی آخری انتخابات نہ بن جائیں۔ واقعہ یہ ہے کہ اگر ہم اپنے اعمال کو دیکھیں تو اس انجام بد کے ہم کبھی کے مستحق ہو چکے اب تک بھی اللہ کی رحمت و مغفرت اور مشیت خصوصی ہی دستگیری فرماتی رہی ہے اور آئندہ بھی کوئی بھروسہ ہے تو صرف اس کا۔ ''ان تعذ بھم فانھم عبادک و ان تغفرلھم فانک انت العزیز الحکیم'' ویسے اس بار خود ہمیں بھی امید کا دامن ہاتھ سے چھوٹتا سا محسوس ہو رہا ہے اور جنرل ضیاءالحق صاحب نے بھی اپنی دوسری نشری تقریر کا آغاز اس جملے سے کر کے مزید ہلا کر رکھ دیا ہے کہ: 'اس مغالطے میں نہیں رہنا چاہیے کہ پاکستان کو اللہ ہی نے وجود بخشا ہے اور وہی اسے قائم رکھے گا۔''

سبب ان ''اندیشہ ہائے دور و دراز'' کا یہ ہے کہ جس طرح ۷۰ء کے الکشن کے نتیجے میں مشرقی اور مغربی پاکستان میں خالص علاقائی قیادتیں ابھر آئیں تھی اسی طرح اب نظر آرہا ہے کہ اس الکشن کے ذریعے یہ بچا کھچا پاکستان بھی قیادت میں Regional Polarisation کا شکار ہو جائے گا اور اس کی ایک مزید تقسیم شرق و غرب خطوں میں ہوجائے گی۔ چنانچہ P N A کی جانب سے صوبہ سرحد اور بلوچستان میں ٹکٹوں کی تقسیم میں اس ''آنے والے دور کی دھندلی سی اک تصویر'' موجود ہے۔ ایک دوسری بری علامت 'باچا خان' کی باسی کڑھی میں دفعتاً ابال، بلوچستان اور سندھ میں ان کی پراسرار نقل و حرکت، خان آف قلات اور جی ایم سید سے ان کے طویل مذاکرات اور بالآخر دونوں صوبوں کی حکومتوں کی طرف سے ان کو ان صوبوں کی حدود سے نکل جانے کے احکام کی صورت میں ظاہر ہوئی ہے۔ گویا معاملہ وہی ہے کہ اگر ایک طرف یہ احساس دل کو ڈھارس دیتا ہے کہ:

نہ ہو نومید نومیدی زوال علم و عرفاں ہے۔ امید مرد مومن ہے خدا کے راز دانوں میں

تو دوسری طرف فوراً ہی یہ احساس بھی دل و دماغ کو اپنی گرفت میں لے لیتا ہے کہ

وطن کی فکر کر ناداں مصیبت آنے والی ہے تری بربادیوں کے مشورے ہیں آسمانوں میں

واللہ اعلم وھو قادر علی امرہ ولکن اکثر الناس لا یعلمون ... [illegible]

# قرآنِ حکیم

کی سورتوں کے پہلے دو گروپوں یعنی:

# الفاتحہ ـــــ تا ـــــ المائدہ

اور

# الانعام ـــــ تا ـــــ التوبہ

کے مضامین کا

## اجمالی تجزیہ

★


## ڈاکٹر اسرار احمد

صدر مؤسس، مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور


## کی دس نشری تقریریں

جو ریڈیو پاکستان لاہور سے از یکم تا ۱۰ رمضان المبارک، ۱۳۹۷ھ روزانہ رات کو نشر ہوئیں

## پیش لفظ

اس سال ریڈیو پاکستان کے لاہور اسٹیشن نے پروگرام بنایا کہ رمضان مبارک کے دوران روزانہ پندرہ منٹ کی ایک تقریر کی جائے جس میں قرآن مجید کے ایک ایک پارے کے چیدہ چیدہ مضامین کا خلاصہ بیان کر دیا جائے۔ اس ضمن میں پہلے پندرہ پاروں کے لیے "قرعۂ فال بنامِ منِ دیوانہ زدند" مجھ سے رابطہ قائم کیا گیا تو میں نے عرض کیا کہ میں پاروں کی تقسیم کا سرے سے قائل ہی نہیں ہوں۔ قرآن کی

اصل تقسیم سورتوں ہی میں ہے، اگر اس بنیاد پر بیان کی اجازت ہو تو میں کوشش کر سکتا ہوں۔ قدرے پس و پیش کے بعد میری یہ بات تسلیم کر لی گئی۔ چنانچہ میں نے وہ تقریریں تحریر کرنی شروع کر دیں۔ لیکن جلد ہی اندازہ ہوا کہ یہ ایک نہایت مشکل کام ہے۔ قرآن حکیم کی ایک ایک آیت کی شرح و تفصیل کہیں آسان کام ہے بہ نسبت اس کے کہ اس کی سورتوں کے مضامین کا خلاصہ بیان کرنے کی کوشش کی جائے۔ اس لئے کہ یہاں تو معاملہ وہ ہے کہ ؎

ز فرق تا بہ قدم ہر کجا کہ می نگرم ۔۔۔ کرشمہ دامنِ دل می کشد کہ جا ایں جاست!

واقعہ یہ ہے کہ قرآن کی ہر ہر آیت انسان کو اپنی جانب متوجہ کرتی ہے اور انسان محسوس کرتا ہے کہ وہ بجائے خود علم و حکمت کا ایک عظیم موتی ہے۔ اور ان میں سے کسی ایک کو بھی نظر انداز کرنا ممکن نظر نہیں آتا! الغرض عجب شش و پنج سے سابقہ پیش آیا کہ ؏ "گویم مشکل وگرنہ گویم مشکل" اس لئے کہ اُدھر براڈ کاسٹنگ کارپوریشن سے "معاہدہ" ہو چکا تھا اور "وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا" کا تقاضا تھا کہ جیسے بھی ممکن ہو وعدہ پورا کیا جائے۔ چنانچہ دل پر جبر کر کے جیسے بھی بن پڑا نیدرہ تقریروں میں سورہ کہف تک کے اہم مضامین کا خلاصہ قلمبند کرنے کی کوشش کی! جن میں سے دس اس وقت ہدیۂ ناظرین ہیں!

ان میں قرآن حکیم کی ابتدائی نو سورتوں کے مضامین کا اساسی تجزیہ آ گیا ہے اور عجیب حسنِ اتفاق ہے کہ ان پر تلاوت کی سہولت کے لئے معیّن کئے گئے دو "حزب" بھی مکمل ہو گئے ہیں (جنہیں ہمارے یہاں عموماً منزل سے تعبیر کیا جاتا ہے) اور ساتھ ہی مضامین کی تقسیم کے اعتبار سے بھی سُوَرِ قرآنی کے دو گروپ مکمل ہو جاتے ہیں۔ یہ موخر الذکر تقسیم مولانا امین احسن اصلاحی کی ژرف نگاہی کا حاصل ہے۔ مولانا پر اللہ تعالیٰ نے یہ حقیقت منکشف کی کہ قرآن مجید کی سورتیں مضامین کی مناسبت سے سات گروپوں میں منقسم ہیں۔ جن میں سے ہر گروپ کا آغاز ایک یا ایک سے زائد مکّی سورتوں سے ہوتا ہے اور اختتام ایک یا ایک سے زائد مدنی سورتوں پر ہوتا ہے۔ مولانا کے نزدیک سورۂ حجر میں مذکور "سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِیْ" کا مصداق بھی قرآن مجید کی سورتوں کے یہی سات جوڑے ہیں۔ راقم کو مولانا کے اس خیال سے تو اتفاق نہیں ہے تاہم اس میں ہرگز کوئی شک نہیں کہ سورِ قرآنی میں یہ نظم و ربط بہت نمایاں ہے اور اس کی جانب توجہ کا منعطف ہونا من جملہ ان احسانات کے ہے جو اللہ تعالیٰ نے مولانا پر کئے ہیں۔

ان میں سے پہلے گروپ کی مکی سورت سورۂ فاتحہ ہے اور مدنی سورتیں چار طویل ترین مدنیات ہیں اور اس گروپ کے مرکزی مضمون دو ہیں یعنی: شریعتِ اسلامی اور اہل کتاب پر اتمام حجت اور دوسرے گروپ کی مکی سورتیں بھی دو ہی ہیں اور مدنی بھی دو ہی، اور اس کا عمود مشرکین عرب پر بالعموم اور قریشِ مکہ پر بالخصوص اتمام حجت اور اس کے نتیجے کے طور پر عذابِ استیصال کا ورود ہے۔ واللہ اعلم وھو الموفق والمستعان — !

خاکسار۔ اسرار احمد عفی عنہ

# پہلا گروپ

# الفاتحہ — تا — المائدہ

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○
بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

وہ ماہِ رمضان مبارک ہی کی ایک بابرکت اور قابلِ قدر رات تھی جس میں اب سے ایک ہزار چار سو سال قبل خالقِ ارض و سماء تبارک و تعالیٰ کا ازلی اور ابدی و سرمدی کلام لوحِ محفوظ سے بواسطۂ جبریلِ امینؑ قلبِ محمدی علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسلام پر نورِ انسانی کے لیے واضح اور روشن ہدایت بن کر نازل ہونا شروع ہوا ——— پھر وہ بھی رمضان ہی کا بابرکت مہینہ ہوتا تھا جس میں ہر سال اُس وقت تک کے نازل شدہ کلامِ الٰہی کا مذاکرہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت جبریل علیہ السلام سے کیا کرتے تھے۔ تا آنکہ اپنی حیاتِ دُنیوی کے آخری سال یعنی رمضان ۱۰ھ میں آنحضورؐ نے حضرت جبریلؑ کے ساتھ پُورے کلامِ الٰہی کا مذاکرہ دو بار کیا ——— اور اس طرح اسے ایک مرتّب و مدوّن قرآن کی صورت میں اُمّت کے حوالے فرما دیا۔ اور پھر دورِ خلافتِ راشدہ ہی میں، جو دراصل خلافت علیٰ منہاج النبوۃ تھی۔ اس مرتّب و مدوّن قرآن نے ایک باقاعدہ مُصحف کی صورت اختیار کر لی۔ جس کے کروڑہا کروڑ نسخے دنیا میں پہلے قلم سے لکھے گئے اور پھر ہر دور کی اعلیٰ سے اعلیٰ طباعت سے مُزیّن ہو کر تیار ہوتے رہے۔ تا آنکہ آج بلا مبالغہ اربوں کی تعداد میں صفحۂ ارضی پر موجود ہوں گے۔ اور اسی پر اکتفا نہیں، اللہ کا یہ کلام کروڑوں خوش قسمت انسانوں کے سینوں میں محفوظ رہا جو اس کی حنابندی اپنے خونِ جگر سے کرتے رہے ——— اور چودہ سو برس ہونے کو آئے کہ ہر سال رمضان مبارک میں رُوئے ارضی کے ایک بڑے حصّے پر گویا اُس کا سالانہ جشن منایا جاتا ہے جبکہ حفّاظ پورے ذوق و انہماک کے ساتھ اپنا حفظ تازہ کرتے ہیں اور عُشّاق کروڑوں کی تعداد میں اُن کے پیچھے صف بستہ ہو کر نزولِ کلامِ ربّانی سے اپنے قلوب کی مُردہ زمینوں کو از سرِ نو زندہ کرتے ہیں، بقول علّامہ اقبالؔ ؎

ترے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزولِ کتاب　　گرہ کُشا ہے نہ رازیؔ نہ صاحبِ کشّاف

مصحف کی پہلی یا افتتاحی سُورت سورۂ فاتحہ ہے جسے خود قرآنِ حکیم ہی نے: "سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ" کا خطاب بھی دیا اور "قرآنِ عظیم" بھی قرار دیا۔ اس کی حیثیت قرآن کے دیباچے اور مقدمے کی بھی ہے اور اُس کے فلسفہ و حکمت کے خلاصے اور لُبِّ لُباب کی بھی۔ اس کا اُسلوب دُعائیہ ہے اور اس میں گویا فطرتِ انسانی کی ترجمانی کی گئی ہے۔ چنانچہ اس کے تین حصّوں میں سے پہلے حصّے میں ان حقائق کا بیان ہے جن تک فطرتِ صحیحہ اور عقلِ سلیم انسان کو پہنچا دیتے ہیں یعنی اللہ کی توحید، اُس کی رُبوبیّتِ عامّہ، اُس کی رحمت کا جوش و خروش اور ہمہ گیری و پائیداری اور اُس کی جزاء و سزا جس کے فیصلہ کے لیے ایک دن معیّن ہے۔ جب اختیارِ کلّی صرف اسی کے ہاتھ میں ہوگا ــــ دوسرے حصّے میں بات آگے بڑھتی ہے اور بندے گویا اللہ کے رُوبرو ہو کر اُس سے عہدِ وفا اُستوار کرتے ہیں کہ: "ہم صرف تیری ہی بندگی کرتے ہیں اور کرتے رہیں گے اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں اور مانگتے رہیں گے!" ــــ اور آخری حصّے میں گویا عقلِ انسانی اعتراف کرتی ہے کہ رُشد و ہدایت اور فوز و فلاح سے ہمکنار کرنے والے صراطِ مستقیم کی تعیین میرے بس میں نہیں۔ اس کے لیے انسان وحی و رسالت ہی کا محتاج ہے۔ چنانچہ ہم گویا گھٹنے ٹیک کر استدعا کرتے ہیں کہ: "اے رب! ہمیں ہدایت بخش اُس سیدھی راہ کی، جس پر تیرے وہ بندے چلے جو تیرے انعام و اکرام کے مستحق ٹھہرے اور جو نہ مغضوب ہوئے نہ گمراہ!"

سُورۂ فاتحہ کے بعد پورا قرآنِ حکیم بالعموم اور اُس کی پہلی چار طویل مدنی سورتیں بالخصوص گویا اس دُعا کا جواب ہیں، جس میں اُس "صراطِ مستقیم" کی تفصیلی نشاندہی کر دی گئی ہے، جس کا ذکر سُورۂ فاتحہ کے آخری حصّے میں کیا گیا تھا۔

ان میں سے پہلی دو سورتیں یعنی سورۂ بقرہ اور سورہ آلِ عمران جنھیں آنحضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے: "الزھراوین" کا خطاب دیا ہے یعنی دو انتہائی روشن اور تابناک سورتیں، ایک نہایت حسین و جمیل جوڑے کی صورت میں ہیں جن میں بہت سے اعتبارات سے مشابہت بھی پائی جاتی ہے۔ مثلاً یہ کہ دونوں کا آغاز حُروفِ مقطعات الٓمّٓ اور کتابِ الٰہی کی عظمت و جلالتِ شان کے بیان سے ہوتا ہے اور دونوں کے اختتام پر انتہائی جامع دعائیں ہیں اور بہت سے پہلوؤں سے ان دونوں کے مابین مضامین کی حد درجہ حکیمانہ تقسیم بھی پائی جاتی ہے مثلاً جہاں سورۂ بقرہ میں اہل کتاب میں سے یہود سے مفصّل خطاب کیا گیا ہے وہاں

سورۂ آلِ عمران میں نصاریٰ سے گفتگو کی گئی ہے۔ اسی طرح سورۂ بقرہ میں ایمان کے مباحث پر زیادہ زور ہے اور سورۂ آلِ عمران میں اسلام کے مباحث پر، اسی طرح جہاد فی سبیل اللہ کے ضمن میں سورۂ بقرہ میں جہاد بالمال یا انفاق فی سبیل اللہ پر زیادہ زور دیا گیا ہے اور سورۂ آلِ عمران میں قتال فی سبیل اللہ پر۔ وقِس علیٰ ھٰذا !

ان میں سے پہلی اور طویل ترین سورت یعنی سورۂ بقرہ جو ۲۸۶ آیات اور چالیس رکوعوں پر مشتمل ہے اور جسے آنحضورؐ نے قرآنِ حکیم کے لیے 'ذروۃ السنام' یعنی بمنزلہ چوٹی یا نقطۂ عُروج قرار دیا ہے۔ ماسوائے چند آیات کے پوری کی پوری آنحضورؐ پر ہجرت کے فوراً بعد سے لے کر رمضان ۲ھ میں غزوۂ بدر سے پہلے تک کے عرصے میں جستہ جستہ نازل ہوئی۔

یہ سورۂ مبارکہ تقریباً دو مساوی حصّوں پر منقسم ہے :

پہلے حصّے میں جو ۱۵۲ آیات اور ۱۸ رکوعوں پر مشتمل ہے خطاب کا رُخ یا براہِ راست یا بالواسطہ اہلِ کتاب، بالخصوص یہود کی طرف ہے۔ اور دوسرے حصّے میں جو بقیہ ۱۳۴ آیات اور ۲۲ رکوعوں پر مشتمل ہے خطاب کا رُخ اُمّتِ محمدؐ علیٰ صاحبہا الصّلوٰۃ و السّلام کی جانب ہے !

پہلا حصّہ پھر تین اجزاء پر مشتمل ہے اور اس میں عجیب توازن پایا جاتا ہے کہ درمیان میں دس رکوع وہ ہیں جن میں یہود کو براہِ راست خطاب کیا گیا ہے، اور ابتدا میں اور اختتام پر چار چار رکوع وہ ہیں جن میں رُوئے سخن اُن کی جانب تو ہے لیکن بطرزِ خفی و لطیف اور ان سے پہلے چار رکوع نہ صرف اس سورۂ مبارکہ بلکہ پورے قرآن مجید کے مضامین کے لیے نہایت جامع تمہید بھی قرار دیے جا سکتے ہیں۔ اور آخری چار رکوعوں کے مضامین کی نوعیّت گویا شہنشاہِ ارض و سما کے اس فرمان کی ہے کہ امامت النّاس کی وراثتِ ابراہیمی اب ذُرّیّتِ ابراہیم کی ایک شاخ یعنی بنی اسرائیل سے سلب کر کے دوسری شاخ یعنی بنی اسمٰعیل کو منتقل کی جاتی ہے جس میں آنحضورؐ کی بعثت ہوئی اور جس سے اُمّتِ مسلمہ کا اصل مرکز یعنی NUCLEUS فراہم ہوا — اور اس انتقالِ منصبِ امامت کی علامت یعنی SYMBOL کی حیثیّت اختیار کر لی تحویلِ قبلہ کے واقعے نے !

اس اجمال کے بعد سورۂ بقرہ کے نصف اوّل کے مضامین پر قدرے تفصیلی نگاہ بھی ڈال لیجئے۔

۱- اس کے پہلے چار تمہیدی رکوعوں کو بھی مضامین کے اعتبار سے دو دور کوعوں کے دو حصّوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ پہلے دو رکوعوں میں تین قسم کے انسانوں کا ذکر ہوا جو اس سورۂ مبارکہ کے نزول کے وقت بالفعل موجود تھے۔ ایک وہ متقین و مفلحین جو قرآن مجید کی ہدایت سے صحیح طور پر مستفید ہوئے۔ اُن کے اوصاف کے بیان کے ضمن میں اِن شرائط کی وضاحت بھی ہو گئی جو اس کتاب کی ہدایت سے بہرہ مند ہونے کے لیے لازمی و لابُدّی ہیں۔ دوسرے وہ جو کفر پر اس طرح اڑ گئے کہ اُن کے حق میں کوئی انذار یا تبلیغ اور نصیحت مفید نہ رہی۔ اس طرح گویا یہ قاعدۂ کلّیہ بیان کر دیا گیا کہ ایک وقت وہ بھی آتا ہے جب انسان اپنی شامتِ اعمال سے اپنے اوپر ہدایت کا دروازہ مستقلاً بند کر لیتا ہے۔ تیسرے وہ جو مدّعی تو ایمان کے تھے لیکن تھے حقیقتاً اس سے بالکل محروم۔ اس تیسری قسم کے انسانوں کا ذکر سب سے زیادہ تفصیل سے کیا گیا اس لیے کہ اس میں جس کردار کی نشاندہی بغیر نام لیے کی گئی اس میں اگرچہ پیشگی طور پر منافقین کے کردار کی عکاسی بھی آ گئی۔ لیکن اصلاً یہود کے گھناؤنے کردار کو پورے طور پر بے نقاب کر دیا گیا۔

اس کے بعد کے دو رکوعوں یعنی تیسرے اور چوتھے رکوع میں قرآن کی دعوت کا خلاصہ ہے۔ تیسرے رکوع میں مذہبی فکر کی سطح پر اور چوتھے رکوع میں فلسفہ و حکمت کی سطح پر۔ چنانچہ تیسرے رکوع کا آغاز توحید اور بندگیٔ رب کی دعوت سے ہوا اور اس کے بعد قرآن کے اعجاز کے ضمن میں نبوّت و رسالت اور پھر جنّت و دوزخ کے ضمن میں ایمان بالآخرت کا ذکر آ گیا اور اس طرح ایمانیاتِ ثلٰثہ کی وضاحت ہو گئی ہے۔ چوتھے رکوع میں حضرتِ آدمؑ کی تخلیق اور اُن کے شرفِ خلافت اور خلعتِ علم سے نوازے جانے اور مسجودِ ملائک قرار پانے اور پھر ابلیسِ لعین کی عداوت و اغواء سے جنّت سے نکالے جانے کے ضمن میں گویا انسان کے مقام و مرتبہ کی وضاحت کے ساتھ ساتھ اُس کے کش مکشِ خیر و شر میں مبتلا ہونے کا ذکر ہے۔ جس میں انسان کو مستقل طور پر شیطان کے اضلال و اغوار کا سامنا رہتا ہے اور جس سے تحفّظ دامنِ رسالت کو تھامے بغیر ممکن نہیں۔ بقولِ شاعر ؎

فرشتے سے بہتر ہے انسان بننا مگر اس میں پڑتی ہے محنت زیادہ!

بنظرِ غائر دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس حصّے میں بھی یہود کے کردار کی نشاندہی کی گئی ہے کہ جس طرح ابلیسِ لعین حضرت آدمؑ کے اعزاز و اکرام سے جل بھُن کر کباب ہو گیا تھا اور اس

نے اُن کے ازلی وابدی دشمن کی حیثیت اختیار کر لی تھی اسی طرح یہ مدّعیانِ علم وفضل، اور حاملانِ دین وشریعت بھی محمدِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے اعزاز واکرام پر حسد کی آگ میں جل اُٹھے ہیں اور آپ کو خوب جاننے اور پہچاننے کے باوجود مخالفت پر کمربستہ ہو گئے ہیں اور اس عداوت اور دشمنی میں مشرکین سے بھی دو ہاتھ آگے نکل گئے ہیں!

پانچواں رکوع یہود کو دعوت پر مشتمل ہے اور اُس کی سات آیات اس اعتبار سے انتہائی اہم ہیں کہ اس میں انہیں نہایت بلیغ پیرائے میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن پر ایمان کی دعوت دی گئی ہے اور دعوت کی مناسبت سے اسلوب ایسا مؤثر اختیار کیا گیا ہے کہ اگر کسی کے دل میں قبولِ حق کی ذرہ بھر استعداد بھی موجود ہو تو وہ فوراً تسلیم کرلے اور لبیک کہتا ہوا حاضر ہو جائے۔

چھٹے رکوع کے آغاز سے پندرھویں رکوع کے آغاز تک نو رکوعوں سے زائد پر مشتمل ایک مفصّل فردِ قرارداد جرم ہے جو یہود پر عائد کی گئی اور جس کی پاداش میں اُن سے وراثتِ ابراہیمی سلب کر لی گئی اور امامت الناس کا منصب چھین لیا گیا۔ اس مفصّل فردِ قراردادِ جرم میں ان کی تاریخ کے بعض اہم واقعات کا بیان بھی ہے جن سے ثابت ہوتا ہے کہ انہوں نے اس نعمت کی قدر ابتداء ہی سے نہ کی اور اس منصب کی ذمہ داریوں کو سنبھالتے ہی ضائع کر دیا اور ان جملہ اعتقادی اور عملی واخلاقی گمراہیوں کی تفصیل بھی ہے جن میں اپنی تاریخ کے مختلف ادوار میں بنی اسرائیل مبتلا ہوئے۔ اس حصّے کا ایک خاص پہلو اور بھی ہے جو نگاہ میں رکھنا ضروری ہے یعنی یہ کہ اس میں نہ صرف یہ کہ ماضی کی تاریخ بیان ہوئی ہے بلکہ علامہ اقبال کے الفاظ میں "آنے والے دَور کی دُھندلی سی اک تصویر" بھی موجود ہے۔ اس لیے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کے مصداق کہ: "لَيَأْتِيَنَّ عَلٰى أُمَّتِي كَمَا أَتٰى عَلٰى بَنِي إِسْرَائِيلَ حَذْوَ النَّعْلِ بِالنَّعْلِ" (یعنی میری اُمت پر بھی وہ سب کچھ وارد ہوگا جو بنی اسرائیل پر، بالکل اسی طرح جس طرح ایک جوتا دوسرے جوتے سے مشابہ ہوتا ہے) بعد میں اُمتِ مسلمہ میں وہ ساری اخلاقی وعملی اور اعتقادی یا نظری وفکری گمراہیاں پیدا ہو کر رہیں جیسے بجائے ایمان اور عمل کے مدارِ نجات نسلی یا گروہی نسبتوں کو قرار دے دینا جس کا ذکر ہے آیت ۶۲ میں یا آخرت کی جوابدہی کے احساس کو زائل کر دینا اپنی امتیازی حیثیت اور اللہ کے چہیتے اور اُس کے رسولوں کے نام لیوا ہونے کے زعم یا کسی سفارش کی اُمیدِ موہوم اور امداد کی غلط

توقع کی بنا پر جیسے کہ واضح کیا گیا آیات ۴۸ ، ۱۲۳ میں، یا عمل کے بجائے تمناؤں کے سہارے جینا جس کا ذکر ہے آیات ۸۰ تا ۸۲ میں اور جدّ و جُہد اور سعی و عمل کے بجائے اصل دلچسپی رکھنا عملیات یا سحر و کہانت اور ٹوٹنوں ٹوٹکوں سے جس کا ذکر ہے آیت ۱۰۲ میں، یا کتابِ الٰہی کو بھی یا تو بالکل پیٹھ پیچھے پھینک دینا اور کُلّیتہً نظر انداز کر دینا جس کا ذکر ہے آیت ۱۰۱ میں یا اُس کے حصّے بخرے کر دینا کہ شریعت کا ایک جزو تو واجب العمل قرار پائے اور دوسرے جزو کو حیلوں بہانوں سے ساقط العمل کر دیا جائے جس کا حد درجہ زور دار تہدیدی انداز میں ذکر ہے آیت ۸۵ میں اور نتیجۃً مبتلا اور مغلوب ہو جانا حیاتِ ارضی کی محبت میں، اور خواہاں ہونا طولِ حیاتِ دُنیوی کا، جس کا ذکر ہے نہایت مذمّت آمیز انداز میں آیات ۹۴ تا ۹۶ میں، اور بٹ جانا فرقوں اور گروہوں میں جن کی ساری مساعی وقف ہوں ایک دوسرے کی تکذیب اور تردید ہی میں جس کی جانب اشارہ کیا گیا آیات ۱۱۱ تا ۱۱۳ میں ـــــ اور ان سب کی پاداش میں باطنی طور پر مبتلا ہو جانا اُس قساوتِ قلبی میں جس کا حد درجہ یاس آمیز انداز میں ذکر کیا گیا آیت ۷۴ میں اور ظاہری طور پر ہدف بن جانا اللہ کے غضب کا اور مبتلا ہونا ذلّت و مسکنت اور محکومی و رُسوائی میں جس کا انتہائی عبرت انگیز الفاظ میں ذکر ہوا آیت ۶۱ میں ! فَاعْتَبِرُوْا يَا أُولِي الْأَبْصَارِ !

آخری حصّے کے پہلے دو رکوعوں یعنی پندرھویں اور سولھویں رکوعوں میں پہلے بنی اسرائیل اور بنی اسماعیل دونوں کے جدِّ امجد یعنی حضرت ابراہیم علیہ السّلام اور ان کو عطا کیے جانے والے منصبِ امامت النّاس کا ذکر ہے۔ پھر تعمیرِ کعبہ اور اُس دُعا کا ذکر ہے جو اس کی تعمیر کے وقت معمارانِ حرم یعنی حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیل علیہما السّلام کے لبوں پر جاری تھی یعنی "اے رب ہمارے، ہماری نسل میں سے ایک رسول اٹھائیو! جو انہیں تیری آیات پڑھ کر سُنائے اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دے اور اُن کا تزکیہ کرے۔" اس کے بعد ایک بار پھر یہود کو نہایت مؤثّر انداز میں زجر و توبیخ بھی کی گئی ـــــ اور آخر میں دو رکوعوں یعنی سترھویں اور اٹھارویں رکوعوں میں اعلان کر دیا گیا کہ یہود ہمیشہ ہمیشہ کے لیے امامت النّاس اور حاملِ کتابِ الٰہی و شریعتِ خداوندی ہونے سے محروم کر دیئے گئے اور اب شہادت علی النّاس، کا یہ منصب اُمّتِ محمّد علیٰ صاحبہا الصّلوٰۃ والسّلام کو عطا فرما دیا گیا۔ اور اس عظیم تبدیلی کی علامت کے طور پر ابدالآباد تک اہلِ ایمان و یقین اور اربابِ عرفان و آگہی

کا قبلہ بنی اسرائیل کی عظمت و سطوتِ پارینہ کی یادگار اور اُن کے دینی و مذہبی مرکز یعنی بیت المقدّس کے بجائے اس گھر کو قرار دے دیا گیا جو : اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ کا مصداق بھی ہے اور "مُبَارَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ" کا بھی اور جس کی تعمیر میں حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ حضرت اسماعیلؑ نے بھی شرکت کی تھی اور جسے اب امّتِ محمّد علیٰ صاحبہا الصّلوٰۃ والسّلام کے مرکز کی حیثیت حاصل ہے۔

اِس حصّے میں اِس اہم تبدیلی کے اعلان کے ساتھ ہی اُمّتِ مُسلمہ کو متنبّہ کر دیا گیا کہ اس منصب پر فائز ہونا جہاں ایک بہت بڑا اعزاز ہے وہاں ایک بھاری ذمّہ داری اور نازک فرض کی حیثیت بھی رکھتا ہے جس کے لیے وہ اللہ کے یہاں مسئول ہوں گے۔ اس لیے کہ اُن کی غرضِ تاسیس یہ ہے کہ جس طرح رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اللہ کے دین کی گواہی اُن کے سامنے قولاً اور عملاً دی اور اس میں نہ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا لحاظ کیا نہ مخالفت کرنے والے کی مخالفت کا۔ اور اس طرح اللہ کی حجّت اُن پر قائم کر دی۔ اسی طرح اب ان کی ذمّہ داری ہے کہ اس دین کی گواہی دیں اپنے قول سے بھی اور عمل سے بھی۔ انفرادی سطح پر بھی اور اجتماعی سطح پر بھی پوری دنیا اور تمام نوعِ انسانی کے سامنے اور اللہ کی حجّت قائم کریں اُن پر ــــ اور ساتھ ہی واضح کر دیا کہ آنحضرتؐ کی بعثت اصل میں اسی دعائے ابراہیم و اسماعیل علیہما السّلام کا ظہور ہے جس کا ذکر پہلے آچکا ہے ــــ اور ان کا عملی طریق کار بھی وہی ہے جس کا ذکر اس دعا میں کیا گیا تھا یعنی: "اے مسلمانو! ہم نے بھیج دیا ہے تم میں اپنا رسول جو پڑھ کر سناتا ہے تمھیں ہماری آیات اور تزکیہ کرتا ہے تمھارا اور تعلیم دیتا ہے تمھیں کتاب اور حکمت کی" ــــ اور اب تمھارا کام یہ ہے کہ ہمارے اس احسان کو یاد رکھو اور اس کا حق ادا کرو ــــ یعنی یہ کہ کتاب و حکمت کے وارث ہونے کی ذمّہ داریوں کو ادا کرو۔

---

## تقریر نمبر ۲

سورۂ بقرہ کا نصف ثانی جو انیسویں رکوع کے آغاز بلکہ اٹھارویں رکوع کے اختتام سے شروع ہوتا ہے اور آخرِ سورت تک پھیلا ہوا ہے اور جس میں خطاب تمام تر اُمّتِ مُسلمہ سے بحیثیتِ امّتِ مسلمہ ہوا ہے ترتیبِ مضامین کے اعتبار سے ایک ایسی رسّی کے مانند ہے جو دو لڑیوں کو بٹ کر بنائی گئی ہو اور اُن میں سے ہر لڑی بھی دو دو ڈوریوں سے

بٹی ہوئی ہو۔ اس طرح اس رسّی کی چار ڈوریاں اگر جُدا جُدا رنگوں کی ہوں تو مجموعی طور پر رسّی میں یہ چاروں رنگ منتشر نظر آئیں گے، یعنی مثلاً نیلا، سرخ، سفید اور سبز اور پھر نیلا، سُرخ، سفید اور سبز۔ لیکن اگر رسّی کو کھول دیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ہر رنگ مسلسل ہے اور کوئی ڈوری بھی لٹوٹی ہوئی نہیں ہے۔

ان دو لڑیوں میں سے ایک دین و شریعت کی تفصیلات پر مشتمل ہے — اور دوسری اُس کے غلبے کی سعی و جہد کی ترغیب و تشویق پر! — پھر دین و شریعت والی لڑی کی بھی دو ڈوریاں ہیں یعنی ایک عقاید و ایمانیات اور دین کے فلسفہ و حکمت کی تفصیل پر مشتمل اور دوسری عبادات و اعمال، اخلاق و آداب، اوامر و نواہی اور حلال و حرام کی تفصیلات یعنی احکامِ شریعت پر مشتمل۔ اور غلبۂ دین کی سعی و جہد کی بھی دو شاخیں ہیں۔ ایک وہ جو انفاقِ مال یا سرمایۂ دولت کے صرف سے عبارت ہے — اور دوسری وہ جو بذلِ نفس یعنی جسمانی قوتوں کے کھپانے اور بالآخر جان کی بازی کھیل جانے سے عبارت ہے۔

اس تمہید کے بعد ذرا ہر موضوع کا علیٰحدہ علیٰحدہ اجمالی جائزہ لے لیجیے!

## عقاید و ایمانیات

عقاید و ایمانیات کے ذیل میں سب سے پہلے آیۃ الکرسی کا ذکر مناسب ہے جسے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید کی عظیم ترین آیت قرار دیا ہے اور اس میں ہرگز کوئی شبہ نہیں کہ توحید فی الصفات کے ضمن میں اس آیۂ مبارکہ کو وہی مقام حاصل ہے جو توحید فی الذّات کے ذیل میں سورۂ اخلاص کو! ارشاد ہوتا ہے:

"اللہ (ہی معبودِ برحق ہے) اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ زندہ ہے سب کا قائم رکھنے والا۔ نہ اُس کو اُونگھ لاحق ہوتی ہے نہ نیند۔ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب اُسی کی ملکیت ہے۔ کون ہے جو اُس کے حضور اُس کی اجازت کے بغیر کسی کی سفارش کر سکے؟ وہ جانتا ہے جو کچھ اُن کے سامنے ہے اور جو کچھ اُن کے پیچھے ہے۔ اور وہ اس کی معلومات میں سے کسی چیز کا بھی احاطہ نہیں کر سکتے سوائے اس کے جو وہ چاہے، اس کا اقتدار آسمانوں اور زمین سب پر حاوی ہے۔ اور ان کی حفاظت اس پر ذرا بھی گراں نہیں اور وہ بلند و عظیم ہے۔"

توحید کے ضمن میں سورۂ بقرہ کا بیسواں رکوع بھی بہت اہمیت کا حامل ہے جس

میں توحید کی آیاتِ آفاقی کا ذکر بھی تفصیل سے ہے اور توحید کا اصل حاصل اور لبِّ لباب بھی بیان کر دیا گیا ہے، یعنی یہ کہ انسان کو اللہ تعالیٰ کی ذات ہی جملہ موجودات سے محبوب تر اور عزیز تر ہو جائے اور اللہ ہی انسان کا مطلوب و مقصودِ اصلی بن جائے۔

فلسفہ و حکمت دین کے اعتبار سے سورۂ بقرہ کے بائیسویں رکوع کی پہلی آیت یعنی آیۂ برّ بھی قرآنِ حکیم کی عظیم ترین آیات میں سے ہے جس میں برّ و تقویٰ کے ایک غلط تصوّر کی نفی کر کے ان کی اصل حقیقت واضح کر دی گئی ہے۔ چنانچہ ان کی رُوح کی بھی نشاندہی کر دی گئی ہے، اور اُن کے مظاہر کی تفصیل بھی ان کی نسبتِ باہمی کی وضاحت کے ساتھ کر دی گئی ہے، ارشاد ہوتا ہے :

"نیکی یہی نہیں ہے کہ تم اپنا رُخ مشرق و مغرب کی طرف پھیر دو، بلکہ اصل نیکی (اس کی ہے) جو ایمان لایا اللہ پر اور قیامت کے دن پر اور فرشتوں پر اور کتابوں پر اور انبیاء پر اور دیا اُس نے مال اس کی محبّت کے علی الرّغم رشتہ داروں کو اور یتیموں کو اور محتاجوں کو اور مسافر کو اور سائلوں کو، اور گلو خلاصی کرانے کے لیے اور قائم کی اُس نے نماز اور ادا کی زکوٰۃ اور پورا کرنے والے اپنے عہد کے جبکہ کوئی معاہدہ کر لیں۔ اور خصوصاً صبر کرنے والے فقر و فاقہ پر اور مصائب و تکالیف پر اور جنگ و قتال کے وقت، یہی لوگ ہیں حقیقتاً راستباز اور یہی ہیں واقعۃً متقی و پرہیزگار۔"

ایمان کے ذیل میں اُمورِ ایمانیہ کی تفصیل آیۂ برّ میں بھی ضمناً آ گئی ہے اور آیت ۲۸۵ میں بھی جو (صحیح مسلم کی ایک روایت کے مطابق آخری آیت یعنی آیت ۲۸۶ کے ساتھ ہی آنحضورؐ کو معراج میں عطا ہوئی تھی۔

## احکامِ شریعت

جیسے کہ سب جانتے ہیں شریعتِ اسلامی بھی دو اجزاء پر مشتمل ہے یعنی ایک حقوق اللہ یا عبادات اور دوسرے حقوق العباد یا معاملات۔

**عبادات** عبادات کے ضمن میں جہاں تک نماز کے ذکر کا تعلّق ہے تو وہ تو تانے بانے کے مانند پوری سورت ہی میں بُنا ہوا ہے۔ چنانچہ اس جزوِ ثانی کا آغاز ہی اس ہدایت سے ہوا کہ "یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ" (اے اہلِ ایمان!

مدد حاصل کرو صبر اور نماز سے) ——— اور پھر آیات ۲۳۸، ۲۳۹ میں تاکید کی گئی کہ نماز کی پوری حفاظت کرو۔ حتیٰ کہ اگر خوف کی حالت ہو تو بھی خواہ پیدل چلتے ہوئے خواہ سواری کی حالت میں بہر حال کسی صورت میں بھی اس سے غفلت نہ برتو! رہا صلوٰۃ اور زکوٰۃ دونوں کا ساتھ ساتھ ذکر تو وہ پورے قرآن کے مانند اس صورت میں بھی پانچ بار آیا ہے جن میں سے ایک بار نصف اوّل میں یہود سے خطاب کے ضمن میں آیا تھا اور چار بار نصف ثانی میں مسلمانوں سے خطاب کے ضمن میں آیا ہے یعنی آیات ع۸۳، ع۱۱۰، ع۱۷۷، اور ع۲۷ میں۔

● روزے کی حکمت اور احکام کے ضمن میں تو قرآن مجید میں پوری کی پوری بحث سورۂ بقرہ کے ایک ہی مقام پر یعنی تیئیسویں رکوع میں آیات ۱۸۳ سے ۱۸۷ تک آگئی ہے یعنی حکمتِ صوم کے ضمن میں اس کی وضاحت بھی کہ روزے سے اصل مقصود حصولِ تقویٰ ہے۔ اس کی صراحت بھی کہ اس عبادت کے لیے رمضان کا مہینہ اس لیے مقرر کیا گیا کہ اس میں قرآن کے نزول کا آغاز ہوا تھا۔ اس کی نشاندہی بھی کہ روزے کا اصل حاصل حلاوتِ دعا، اور لذتِ مناجات ہے اور احکامِ صوم کی پوری تفصیل بھی اُن کے ارتقائی مراحل کے تذکرے سمیت یعنی وہ ابتدائی حکم بھی جس کی رُو سے روزے کا وُجوب علی التخییر قرار پاتا ہے اور وہ آخری حکم بھی جس کی رُو سے روزے کی فرضیت علی التعیین ہو گئی!

● اسی طرح حج اور اس کے مناسک و احکام کے ضمن میں بھی اس سورۂ مبارکہ کی آیات ۱۹۶ تا ۲۰۳ کو حد درجہ اہمیت حاصل ہے۔ جن میں مناسکِ حج کے ضمن میں تمام ضروری ہدایات آگئی ہیں۔ یاد ہو گا کہ ایک رکن حج یعنی "سعی بین الصفا والمروہ" کا ذکر اس سورۂ مبارکہ کے نصف ثانی کے بالکل آغاز میں آیت ۱۵۸ میں کر دیا گیا تھا۔

**معاملات** | جہاں تک معاملاتِ انسانی کا تعلق ہے اس سورۂ مبارکہ کو شریعتِ محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے ضمن میں وہی مقام حاصل ہے جو کسی عمارت کی تعمیر کے ضمن میں اس کے نقشے کے ابتدائی خاکہ یعنی BLUE PRINT کو حاصل ہوتا ہے۔ اس لیے کہ زندگی کے تمام پہلوؤں سے متعلق ابتدائی احکام اس سورت میں دے دیئے گئے ہیں اور ان سے شریعتِ اسلامی کا ابتدائی خاکہ تیار ہو گیا ہے، بعد میں زیادہ تر سورۂ نساء، اور سورۂ مائدہ میں ——— اور کسی قدر سورۂ نور اور سورۂ احزاب وغیرہا میں تکمیلی احکام نازل ہوئے جن سے اس عمارت کا اتمام و اکمال ہو گیا بفحوائے الفاظِ قرآنی: اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ

لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ !

چنانچہ سب سے پہلے آیات ۱۶۸ تا ۱۷۱ میں کھانے پینے کی چیزوں میں حلت و حرمت کا ضابطہ بیان کیا گیا۔ جس کے ضمن میں تکمیلی احکام سورۂ مائدہ کے پہلے رکوع میں آئے! پھر آیات ۱۷۸، ۱۷۹ میں قتل کے ضمن میں قصاص اور دیت کے احکام بیان ہوئے، پھر آیات ۱۸۰ تا ۱۸۲ میں وصیت کا حکم دیا گیا جو گویا اسلام کے قانونِ وراثت کی تمہید تھا جو بعد میں سورۂ نساء میں نازل ہوا۔ پھر آیت ۱۸۸ میں حرام خوری اور بالخصوص رشوت کی ممانعت کی گئی، پھر آیت ۲۱۹ میں شراب اور جوئے کی حرمت کی تمہید باندھی گئی جس کی تکمیل سورۂ مائدہ میں ہوئی، پھر آیت ۲۳۰ میں یتیموں کے حقوق کی طرف توجہ دلائی گئی۔ یہ بھی گویا تمہید ہے اس تفصیلی ہدایت کی جو سورۂ نساء کے رکوع اوّل میں آئی ہے۔ پھر اوّلاً آیت ۲۳۱ میں مشرکہ عورتوں سے نکاح کی ممانعت وارد ہوئی اور اس کے بعد آیات ۲۳۲ تا ۲۴۲ میں نکاح، طلاق، ایلاء، خلع، رضاعت، بیویوں کا نان و نفقہ، بیوہ کے حقوق، مہر اور ازدواجی زندگی کے دوسرے بہت سے معاملات سے متعلق تفصیلی احکام دیئے گئے جن پر بعد میں مزید اضافوں سے اسلام کے عائلی نظام کا حسین و جمیل اور پاک و صاف قصر تعمیر ہوا۔

پھر آخری حصے میں جو ترتیب نزولی کے اعتبار سے مدنی دَور کے آخر سے تعلق رکھتا ہے اوّلاً آیات ۲۷۵ تا ۲۸۱ میں سُود کی حرمت کا بیان نہایت سخت الفاظ میں ہوا۔ ثانیاً آیت ۲۸۲ میں قرض اور اس سلسلے کی لکھت پڑھت اور گواہی و شہادت کے قانون کی تفصیل آئی، اور اسی کے ضمیمے کے طور پر آیت ۲۸۳ میں رہن کا ضابطہ بیان ہوا اور اس طرح جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے شریعتِ محمدی علیٰ صاحبہا الصّلوٰۃ والسّلام کا ابتدائی خاکہ تیار ہو گیا۔

## جہاد فی سبیل اللہ

سورۂ بقرہ کے نصف ثانی کے مضامین کی دوسری لڑی دینِ حق کے غلبے کی سعی و جہد اور اس کے لیے ترغیب و تشویق پر مشتمل ہے۔ اور اس کے بھی جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے دو جزو ہیں

(۱) ایک جہاد بالمال یا انفاق فی سبیل اللہ ـــــ یعنی اللہ کے پیغام کی نشر و اشاعت، قرآن مجید کے علم و حکمت کی تعلیم و تشہیر اور اللہ کے دین کے غلبے کی جدّوجہد میں مال صرف کرنا جس

کی تاکید ویسے تو اس سورۂ مبارکہ کے نصف ثانی میں از اوّل تا آخر رچی بسی ہوئی ہے۔ چنانچہ آیات ۱۹۵، ۲۱۵، ۲۱۹، ۲۴۵، اور ۲۵۴ میں تکرار و اعادہ اس کا ذکر موجود ہے ـــــ لیکن آیات ۲۶۱ تا ۲۷۴ یعنی چھبیسویں اور سینتیسویں رکوع تو اس موضوع پر پورے قرآن مجید میں "ذُرْوَۃُ السَّنام" یعنی چوٹی یا نقطۂ عروج کی حیثیت رکھتے ہیں۔

(۲) دوسرا قتال فی سبیل اللہ یعنی اللہ کے دین کے غلبہ کے لیے کفار سے جنگ جس کا منتہائے مقصود ہے درجۂ شہادت بقول علامہ اقبال ؎

شہادت ہے مطلوب و مقصودِ مومن ۔۔۔ نہ مالِ غنیمت نہ کشور کشائی

چنانچہ سورۂ بقرہ کے نصف ثانی کا آغاز ہی اس درجۂ شہادت اور اس کے مرتبہ و منزلت کے بیان سے ہوا جو آیات ۱۵۴ تا ۱۵۷ پر پھیلا ہوا ہے یعنی ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل ہوتے ہیں ان کو مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تم محسوس نہیں کرتے۔ بے شک ہم تمہارا امتحان کریں گے، کسی قدر خوف، بھوک اور مالوں اور جانوں اور پھلوں کی کمی سے اور ان ثابت قدموں کو خوشخبری سنا دو۔ جن کا حال یہ ہے کہ جب ان کو کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ بے شک ہم اللہ ہی کے ہیں اور اُسی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جن پر اُن کے رب کی عنایتیں ہیں اور رحمت، اور یہی لوگ راہ یاب ہونے والے ہیں۔"

پھر باقاعدہ حکم قتال آیا جو آیات ۱۹۰ تا ۱۹۳ پر پھیلا ہوا ہے۔ گویا ترتیبِ مصحف میں حج کے احکام سے متصلاً قبل ہے۔ جس سے اس امر کی جانب رہنمائی ملتی ہے کہ اس کا اوّلین ہدف مقاماتِ حج یعنی حرم اور جوارِ حرم کو مشرکین کے تسلط سے نجات دلانا ہے لیکن اس کے ساتھ ہی یہ تصریح بھی کر دی گئی کہ قتال کا سلسلہ جاری رہے گا تا آنکہ فتنہ و فساد بالکل فرو ہو جائے اور دین صرف اللہ کے لیے ہو جائے (وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّ يَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ)۔ گویا قتال فی سبیل اللہ کا آخری ہدف غلبۂ دینِ حق ہے۔

پھر آیت ۲۱۴ میں قتال سے جی چرانے والوں کو تنبیہ کی گئی کہ کیا تم نے یہ سمجھا تھا کہ جنت میں داخلہ مل جائے گا، بغیر اللہ کی راہ میں مصائب جھیلے اور تکالیف برداشت کیے؟ حالانکہ تم سے پہلے اہلِ ایمان کا ہم خوب ٹھوک بجا کر امتحان لیتے رہے ہیں!

پھر آیت ۲۱۶ تا ۲۱۸ میں قتال فی سبیل اللہ کی فرضیت و مشروعیت کی تصریح کی گئی

اور تھوڑی دُور آگے چل کر آیت ۲۴۴ میں نہ صرف یہ کہ اِس کا پرزور اعادہ کیا گیا بلکہ آیت ۲۴۶ تا ۲۵۲ میں بنی اسرائیل کی تاریخ کے اِن واقعات کا ذکر ہوا جن میں مشرکین اور کفار سے قتال کے نتیجے میں تاریخی اعتبار سے یہود کی عظمت و سطوت کے دَور کا آغاز ہوا یعنی وہ جنگ جو طالوت اور جالوت علیہ السلام کے مابین ہوئی اور جس کے بعد حضرت داؤد و سلیمان علیہما السلام کی پُرشکوہ بادشاہت شروع ہوئی۔ یہ تفصیلی بیان درحقیقت غزوۂ بدر کی تمہید تھا جس سے خود مسلمانوں کی سطوت و شوکت اور دینِ حق کے غلبے کے دَور کا آغاز ہوا، جس کا نقطۂ عروج دَورِ خلافتِ راشدہ ہے۔

اور پھر اس سورۂ مبارکہ کا اختتام ہوا اس عظیم دعا پر جو شہادت علی النّاس کی نازک ذمہ داری کی ادائیگی اور جہاد و قتال فی سبیل اللہ کے کٹھن مراحل میں اہلِ ایمان کے لیے سرمایۂ اطمینان و سکون بنتی ہے اور جس کا خاتمہ ہوتا ہے کفّار کے بالمقابل اللہ سے امداد و نصرت کی استدعا پر، اور جو آنحضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کو عطا فرمائی گئی تھی شبِ معراج میں اُمّتِ محمّد علیٰ صاحبہا الصّلوٰۃ والسّلام کے لیے ہدیۂ ربّانی کے طور پر ـــــ ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

”اے پروردگار! اگر ہم بھول جائیں یا غلطی کر بیٹھیں تو ہم سے مواخذہ نہ فرمانا۔ اور اے ہمارے پروردگار! ہمارے اُوپر اس طرح کا کوئی بار نہ ڈال، جیسا تونے ان لوگوں پر ڈالا جو ہم سے پہلے گزرے، اور اے ہمارے پروردگار! ہم پر کوئی ایسا بوجھ نہ لاد جس کو اٹھانے کی ہم میں طاقت نہ ہو اور ہمیں معاف کر، ہمیں بخش اور ہم پر رحم فرما، تو ہمارا مولا ہے، پس کافروں کے مقابلے میں ہماری مدد کر۔“

وآخر دعوانا ان الحمد للہ ربّ العالمین ٥

تقریر نمبر ۳

# سُورۂ آلِ عمران

ترتیب نزولی کے اعتبار سے سُورۂ بقرہ کے بعد سورۂ انفال کا نمبر ہے اس لیے وہ کُل کی کُل غزوۂ بدر کے فوراً بعد نازل ہوئی۔ لیکن ترتیبِ مصحف میں سورۂ انفال کو سورۂ انعام اور سورۂ اعراف کے بعد اور سورۂ توبہ سے قبل رکھا گیا ہے۔ جس کی حکمت پر گفتگو اِن شاء اللہ سورۂ انفال ہی کے ضمن میں ہوگی۔ بہرحال مصحف میں سورۂ بقرہ کے بعد سورۂ آلِ عمران ہے جس کے بارے میں پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ یہ ہر اعتبار سے سورۂ

بقرہ کا جوڑا معلوم ہوتی ہے۔

چنانچہ یہ بھی مضامین کے اعتبار سے سُورۂ بقرہ کی طرح دو بالکل مساوی حصّوں پر منقسم ہے۔ پہلے حصّے میں رُوئے سخن اہلِ کتاب اور ان میں سے بھی بالخصوص نصاریٰ کی جانب ہے اور دوسرے میں خطاب کا رُخ براہِ راست اُمّتِ مُسلمہ سے ہے۔

پھر اُس کا نصف اوّل بھی ٹھیک سورۂ بقرہ کے مانند تین اجزاء ہی پر مشتمل ہے یعنی جزوِ اوّل جو آیات ۱ تا ۳۲ پر مشتمل ہے جو غزوۂ بدر کے فوراً بعد نازل ہوا اور جسے اہلِ کتاب بالخصوص نصاریٰ سے خطاب کی تمہید قرار دیا جا سکتا ہے، جُزوِ ثانی جو آیات ۳۳ تا ۶۴ پر مشتمل ہے اور صحیح روایات کے مطابق ۹ھ میں وفدِ نجران کی آمد کے موقع پر نازل ہوا جس میں نصاریٰ سے براہِ راست خطاب فرمایا گیا اور ان کے عقیدۂ اُلوہیتِ مسیح کی بھرپور تردید کی گئی۔ اور جُزوِ ثالث جو آیات ۶۵ تا ۹۹ پر مشتمل ہے جس کا زمانۂ نزول غزوۂ اُحد سے متصلاً قبل معلوم ہوتا ہے اور جس میں خطاب کا رُخ اہلِ کتاب کے دونوں گروہوں کے جانب ہے، یعنی یہود کی جانب بھی اور نصاریٰ کی جانب بھی۔ اور دونوں ہی کو بالکل سورۂ بقرہ کے انداز میں دعوت بھی دی گئی ہے اور ملامت بھی کی گئی ہے۔

اسی طرح اس سورۂ مبارکہ کا نصف ثانی بھی تین اجزاء پر منقسم ہے۔ جزوِ اوّل جو آیات ۱۰۰ تا ۱۲۰ پر مشتمل ہے جس کا زمانۂ نزول نصف اوّل کے جزوِ ثالث کے ساتھ ہی معلوم ہوتا ہے اور جس میں اُمّتِ مسلمہ سے عمومی خطاب فرمایا گیا ہے اور انہیں ان کے مقام و مرتبہ سے آگاہی بخشنے کے ساتھ ساتھ اصولی ہدایات دی گئی ہیں اور بالخصوص اہلِ کتاب کے ہتھکنڈوں سے ہوشیار رہنے کی تلقین کی گئی ہے، جزوِ ثانی جو آیات ۱۲۱ تا ۱۸۰ پر مشتمل ہے اور صحیح روایات کے مطابق غزوۂ اُحد کے فوراً بعد نازل ہوا، جس میں غزوۂ اُحد کے حالات و واقعات اور اُس کے فوراً بعد پیدا ہونے والی سنگین صورتِ حال پر بھرپور تبصرہ بھی کیا گیا ہے اور اس ضمن میں اہلِ ایمان کو خصوصی ہدایات بھی دی گئی ہیں اور جُزوِ ثالث جو آیات ۱۸۱ تا ۲۰۰ پر مشتمل ہے اور خاتمۂ کلام کی حیثیت رکھتا ہے اور غالباً غزوۂ اُحد سے قبل نازل ہوا۔ واللہ اعلم!

اس تجزیے کے بعد آیئے کہ ہر حصّے کے اہم مضامین کا جائزہ لے لیں!

(۱) سورۂ بقرہ کی طرح سُورۂ آلِ عمران کا آغاز بھی حروفِ مقطعات الٓمّٓ سے ہوتا ہے اور اس کے پہلے رکوع میں اوّلاً قرآن مجید کی عظمت و جلالتِ شان کا بیان ہے اس مزید وضاحت

کے ساتھ کہ یہ کوئی نئی یا انوکھی کتاب نہیں بلکہ کُتُبِ سماویہ کے اُس عظیم سلسلے کی آخری جامع اور مکمل و محفوظ کڑی ہے جس میں تورات اور انجیل بھی شامل ہیں۔ پھر سورۂ بقرہ کے پہلے رکوع ہی کے مانند یہاں بھی دو گروہوں کا ذکر ہوا۔ ایک وہ طالبانِ ہدایت جو اس کتابِ الٰہی سے صحیح استفادہ کرنے والے ہیں اور دوسرے وہ جن کے قلوب میں کجی ہوتی ہے اور جو فتنہ کے متلاشی ہوتے ہیں۔ نتیجۃً خود بھی گمراہ ہوتے ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں ـــــ اس ضمن میں اس اہم حقیقت کی جانب رہنمائی عطا فرمائی گئی کہ کتابِ الٰہی دو قسم کی آیات پر مشتمل ہے۔ ایک آیاتِ محکمات جن کا مفہوم و مدلول بالکل واضح ہے اور ہر شک و شبہ سے بالاتر ہے اور دوسری آیاتِ متشابہات جن کے اصل مراد و معنیٰ کی تعیین میں اشتباہ پیش آسکتا ہے۔ جن لوگوں کے دلوں میں کجی اور نیّت میں خلل ہوتا ہے اور جو بجائے ہدایت کے فتنے کے طالب ہوتے ہیں وہ آیاتِ متشابہات کی کھود کرید میں مصروف رہتے ہیں اور جن طالبانِ ہدایت کو اللہ رسوخ فی العلم عطا فرما دیتا ہے اُن کی اصل دلچسپی آیاتِ محکمات سے ہوتی ہے، اور وہ آیاتِ متشابہات کے ضمن میں اجمالی ایمان پر اکتفا کرتے ہوئے اللہ سے دعا کرتے رہتے ہیں کہ :

"اے ہمارے ربّ ہمارے دلوں کو کجی میں نہ مبتلا کر دیجیو اس کے بعد کہ تو نے ہمیں ہدایت سے سرفراز فرمایا۔ اور ہمیں عطا فرما اپنے خزانۂ فضل سے رحمتِ خصوصی اور تُو تو ہے ہی بخشنے والا، عطا فرمانے والا!"

ـــــ اس میں ایک لطیف اشارہ ہو گیا نصاریٰ کی گمراہی کی طرف جنھوں نے "رُوحُ اللہ" اور "کَلِمَۃٌ مِّنْہُ" کے متشابہ الفاظ سے رائی کا پہاڑ بنا ڈالا اور اُلوہیتِ مسیح کا عقیدہ گھڑ لیا۔

جزوِ اوّل کی بقیہ آیات یعنی از ۱۰ تا ۳۲ کے بارے میں قابلِ اعتماد روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے پسِ منظر میں ایک خاص واقعہ ہے اور وہ یہ ہے کہ غزوۂ بدر سے واپسی پر آنحضور صلّی اللہ علیہ وسلّم اور آپ کے ساتھی اہلِ ایمان کا گزر بنی قینقاع کے بازار سے ہوا اور وہاں آپ نے یہود کو دعوتی خطبہ ارشاد فرمایا۔ جواب میں یہودِ بنی قینقاع نے انتہائی گستاخانہ انداز میں کہا کہ: "بدر کی فتح سے دھوکا نہ کھانا جب ہم سے مقابلے کی نوبت آئی تو چھٹّی کا دودھ یاد آ جائے گا" اِس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔ چنانچہ ان میں اہلِ کتاب پر سخت تنقید بھی ہے اور انہیں شدید تہدید و وعید بھی۔ اور ساتھ ہی اہلِ ایمان کو متنبّہ کر دیا گیا ہے کہ ان سے میل جول اور قریبی تعلقات اور دلی دوستی رکھنے سے پرہیز کریں۔

(۲) نصف اوّل کے جزو ثانی کا آغاز انبیاء و رُسُل کے عظیم سلسلے کے حوالے سے ہوتا ہے جس میں آدم و نوح اور آلِ ابراہیم و آلِ عمران کے نام خصوصیت کے ساتھ لیے گئے۔ اس کے فوراً بعد حضرت مریم کی والدہ ماجدہ کا ذکر ہوا اور پھر خود حضرت مریم اور اُن کی نیکی و عبادت گزاری اور طہارت و پاک دامنی کی تفصیلات بیان ہوئیں اور پھر اُسی کے حوالے سے حضرت زکریاؑ کی دعا اور اُس کی اجابت و قبولیت اور حضرت یحییٰ کی ولادت کا ذکر ہوا جو بجائے خود ایک خرقِ عادت بات تھی اس لیے کہ حضرت زکریاؑ بھی اس وقت بہت ضعیف ہو چکے تھے اور اُن کی اہلیہ یعنی حضرت یحییٰ کی والدہ بھی نہایت بوڑھی تھیں اور تمام عمر بانجھ رہی تھیں۔ یہ گویا تمہید ہے حضرت مسیح علیہ السّلام کی خرقِ عادت ولادت کے ذکر کی۔ چنانچہ پھر بیان کا رُخ حضرت مریم اور حضرت مسیحؑ کی جانب مڑ گیا اور اُن کے معجزات اور حالات و واقعات کے ذکر کے بعد اصل حقیقت کو بے نقاب کر دیا گیا کہ حضرت مسیح نہ خود خدا تھے نہ خدا کے بیٹے بلکہ اللہ کے رسول اور اس کے بندے اور مخلوق تھے۔ اُن کی ولادت ضرور بغیر باپ کے ہوئی اور انہیں معجزات بھی نہایت عظیم عطا کیے گئے لیکن یہ سب کچھ اللہ کی قدرت سے ہے نہ کہ کسی اور کے ارادہ و اختیار سے۔ اگر حضرت یحییٰ کی خلافِ عادت ولادت ان کی اُلوہیت کی دلیل نہیں تو حضرت عیسیٰ کی ولادت میں طبعی قانون اگر تھوڑا سا مزید ٹوٹتا نظر آتا ہے تو آخر اس سے ان کا خدا یا خدائی میں شریک ہونا کیسے لازم آگیا؟ جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے یہ عظیم خطبہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ۹ھ میں نجران کے عیسائیوں کے وفد کی آمد کے موقع پر نازل ہوا تھا۔ چنانچہ اس کے آخر میں انہیں مباہلے کا چیلنج بھی دے دیا گیا اور روایاتِ صحیحہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ وہ ایمان سے تو محروم ہی لوٹ گئے لیکن مباہلہ کا چیلنج قبول کرنے کی جرأت نہ کر سکے!

(۳) نصف اوّل کے جزو ثالث میں جیسا کہ ابتدا میں عرض کیا گیا تھا اہلِ کتاب کو دعوت بھی ہے اور ملامت بھی۔ چنانچہ اس کا آغاز اُس عظیم آیت سے ہوتا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے:

"(اے نبی!) کہہ دو، اے اہلِ کتاب! آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے مابین مشترک ہے، یعنی یہ کہ ہم بندگی نہ کریں اللہ کے سوا کسی کی، اور شریک نہ کریں اس کے ساتھ کسی کو اور نہ بنالیں اللہ کے سوا ایک دوسرے کو ربّ اور معبود!"

اِس اُصولی اشتراک کے بعد دعوت کے ضمن میں بنی اسرائیل اور بنی اسماعیل دونوں کے مشترک جدِّ امجد کا ذکر کیا گیا اور اُن کے بارے میں فرمایا گیا کہ نہ وہ یہودی تھے نہ نصرانی بلکہ ان کا دین بھی

وہی اسلام تھا جس کی دعوت نبی اُمّی صلّی اللہ علیہ وسلّم دے رہے ہیں۔ اس ضمن میں سورۂ بقرہ کے مانند یہاں بھی خانہ کعبہ کا ذکر بھی کیا گیا کہ خدائے واحد کی پرستش کے لیے رُوئے ارضی پر تعمیر کیا جانے والا پہلا گھر وہی ہے۔ جس کی تولیت اسماعیلؑ اور بنی اسماعیل کو عطا کی گئی۔

اِس دعوت کے ساتھ ساتھ اُن کی اخلاقی و عملی اور فکری و اعتقادی گمراہیوں پر تنقید بھی کی گئی۔ اور گویا سورۂ بقرہ میں جو فردِ قرار دادِ جرم تفصیل کے ساتھ بیان ہوئی تھی اُس کا خلاصہ دوبارہ سامنے رکھ دیا گیا۔

(۴) نصف ثانی کے جزو اوّل میں سب سے پہلے مسلمانوں کو خبردار کیا گیا کہ اگر وہ اپنی سادہ لوحی کے باعث اہلِ کتاب کے پروپیگنڈے سے متاثر ہو گئے تو وہ انہیں اسلام سے واپس کفر کی جانب پھیر لے جائیں گے۔

● پھر تین ہدایتیں بنیادی دی گئیں ایک یہ کہ اللہ کا تقویٰ اختیار کرو جتنا کہ اس سے تقویٰ کا حق ہے۔ دوسرے یہ کہ اللہ کی رسّی کو مضبوطی سے تھام لو۔ صحیح روایات کی رُو سے اس کی وضاحت آنحضورؐ نے فرمادی کہ اللہ کی رسّی سے مراد اللہ کی کتاب ہے، اور تیسرے یہ کہ تفرقہ و اختلاف کو راہ نہ دو اور متحد و متفق رہو۔

● پھر مسلمانوں کو اُن کے فرضِ منصبی سے آگاہ کیا گیا کہ "تم وہ بہترین امت ہو جسے دنیا والوں کے لیے برپا کیا گیا ہے۔ تمھارا کام یہ ہے کہ نیکی کا حکم دو، بدی سے روکو اور اللہ پر بھروسہ رکھو!" ــــ یہ گویا وہی مضمون ہے جو سورۂ بقرہ میں امّتِ مسلمہ کی غرضِ تاسیس کی بحث کے ضمن میں 'شہادت علی الناس' کی اصطلاح کے ذریعے بیان کیا گیا تھا۔ اس سلسلہ میں عملی ہدایت بھی دے دی گئی کہ اگر خدانخواستہ کبھی اُمّت بحیثیتِ مجموعی اس فریضے سے غفلت برتنے لگے تب بھی اُمّتِ مسلمہ میں کم از کم ایک جماعت تو ضرور ایسی رہنی چاہیئے جو اسے اپنا مقصدِ زندگی اور فریضۂ حیات بنالے۔

(۵) نصف ثانی کے دوسرے جزو میں غزوۂ احد کے حالات و واقعات پر تفصیلی تبصرہ ہے اور بالخصوص ان کمزوریوں کو نمایاں طور پر بیان کیا گیا ہے جو دعوتِ اسلامی کے اس اہم اور نازک مرحلے پر مسلمانوں کی بعض جماعتوں کی جانب سے ظاہر ہوئیں۔ اور جن کے نتیجے میں فتح عارضی طور پر شکست میں تبدیل ہو گئی اور نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم بھی زخمی ہوئے اور ستر مسلمانوں نے جامِ شہادت نوش کیا۔ اس سلسلہ کی اہم ترین آیت وہ ہے جس کا

ترجمہ یہ ہے :

"اور اللہ نے تو تم سے اپنا وعدہ پورا کر دیا تھا جب تم انہیں اس کی تائید و نصرت کے طفیل تہ تیغ کر رہے تھے - یہاں تک کہ تم نے خود ہی ڈھیلے پن کا مظاہرہ کیا اور حکم کے بارے میں جھگڑا کیا اور نافرمانی کا ارتکاب کیا۔ اس کے بعد کہ اللہ نے تمہیں وہ چیز (یعنی فتح یا مالِ غنیمت) دکھا دی جو تمہیں محبوب ہے تم میں کچھ ایسے بھی ہیں جو اصلاً دنیا کے طالب ہیں اور وہ بھی ہیں جو آخرت کے طلب گار ہیں ـــــ چنانچہ اللہ نے تمہارا رُخ اُن کی جانب موڑ دیا تاکہ تمہیں آزمائش کی بھٹی میں تپائے - اور بالآخر تمہیں معاف بھی کر دیا، واقعہ یہ ہے کہ اللہ مومنین کے حق میں بڑا بخشندہ و مہربان ہے۔"

قرآن مجید میں یہ مقام، اہلِ ایمان کو جو آزمائشیں اللہ کی جانب سے پیش آتی ہیں اُن کے ضمن میں حد درجہ جامع اور اہم ہے - چنانچہ ایک طرف تو یہ واضح کیا گیا کہ اہلِ ایمان کے لیے ابتلا و آزمائش اللہ کی سُنّت ثابتہ ہے اور اس سے کسی کو مفر نہیں ـــــ دوسری طرف اس ابتلا و آزمائش کی حکمت بھی بیان کر دی کہ اس ہی سے معلوم ہوتا ہے کہ کون کتنے پانی میں ہے ـــ اور پانی کہاں کہاں مرتا ہے تاکہ جماعت اپنی تطہیر اور تمحیص کرلے اور آئندہ کے مراحل کے لیے مزید چاق و چوبند ہو جائے۔ تیسری طرف اس ضمن میں منافقین کا کردار بھی واضح کر دیا گیا تاکہ مسلمان اپنی جماعت کے اس نفقہ کالمسٹ عنصر سے خبردار ہو جائیں۔

یہ مضامین اس سورۂ مبارکہ میں بہ اعادہ و تکرار آیات ۱۴۰ تا ۱۴۲، پھر آیات ۱۵۲، ۱۵۴، پھر آیات ۱۶۵ تا ۱۶۸ اور بالآخر نہایت جامع انداز میں آیت ۱۷۹ میں بیان ہوئے ہیں۔ جس کا ترجمہ یہ ہے :

"اللہ کا طریقہ یہ نہیں ہے کہ تمہیں چھوڑ دے اس حال میں جس میں تم ہو (وہ تو جانچ پرکھ جاری رکھے گا) یہاں تک کہ پاک سے ناپاک کو بالکل جدا کر دے۔"

اور اس سلسلہ میں اس سورت میں بھی وہ مضمون دوبارہ بیان کر دیا گیا جو اس سے قبل سورۂ بقرہ کے رکوع ۱۹ میں بیان کیا گیا تھا کہ :

"جو اللہ کی راہ میں قتل ہو جائیں انہیں ہرگز مردہ نہ سمجھو، وہ زندہ ہیں اور اپنے ربّ کے پاس رزق پا رہے ہیں اور خود بھی اللہ کی داد و دہش سے فرحاں و شاداں

ہیں اور اپنے پیچھے رہ جانے والے صاحبِ ایمان ساتھیوں کے بارے میں بھی خوشیاں منا رہے ہیں کہ اُن کے لیے نہ کوئی خوف ہے نہ غم!"

(۶) آخری حصّہ جو خاتمۂ کلام کی حیثیت رکھتا ہے، دو رکوعوں پر مشتمل ہے۔

● پہلے یعنی سورۃ کے انیسویں رکوع میں ایک بار پھر اس کش مکش کی جانب اشارہ کر دیا گیا جو اہلِ ایمان اور اہلِ کتاب کے مابین خصوصاً غزوۂ اُحد کے بعد شدّت اختیار کر گئی تھی۔ اس میں اہلِ کتاب کو اسی تہدید و تنبیہ اور اہلِ ایمان کو ان ہی ہدایات کا اعادہ کیا گیا جو اس سے قبل تفصیل سے آچکی ہیں۔

● اور آخری رکوع کی دس آیات وہ ہیں جن کی حد درجہ فضیلت وارد ہوئی ہے صحیح احادیث میں، جن سے خصوصی شغف تھا آنحضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کو، جن میں خلاصہ آ گیا اس استدلال کا جو توحید، معاد اور رسالت کے ضمن میں قرآنِ حکیم کی مکّی سورتوں میں تفصیل کے ساتھ وارد ہوا ہے۔ اور جس میں نقشہ کھینچ دیا گیا ہے اہلِ ایمان کی جاں نثاری سرفروشی، اور غلبۂ دینِ حق کے لیے گھر بار چھوڑنے، اعزّہ و اقربا سے قطعِ تعلّق کرنے اور جہاد و قتال کے معرکے سر کرنے اور جان کی بازی لگا دینے کا۔ اس رکوع میں سورۂ بقرہ ہی کے مانند ایک عظیم دعا بھی آگئی ہے یعنی:

"اے ہمارے پروردگار! تو نے یہ کارخانہ بے مقصد نہیں پیدا کیا ہے۔ تو اس بات سے پاک ہے کہ کوئی عبث کام کرے۔ سو تو ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا۔ اے ہمارے ربّ جس کو تو نے دوزخ میں ڈالا بے شک اس کو تو نے رسوا کر دیا اور ظالموں کا کوئی بھی مددگار نہیں ہوگا۔ اے ہمارے رب! ہم نے ایک پکارنے والے کو سنا ایمان کی دعوت دیتے کہ لوگو! اپنے ربّ پر ایمان لاؤ، تو ہم ایمان لائے۔ اے ہمارے ربّ ہمارے گناہوں کو بخش دے، ہماری برائیوں کو ہم سے دور کر دے اور ہمیں موت اپنے وفادار بندوں کے ساتھ دے۔ اے ہمارے ربّ! اور ہمیں بخش وہ کچھ جس کا تو نے اپنے رسولوں کی زبانی ہم سے وعدہ فرمایا ہے اور قیامت کے دن ہمیں رسوا نہ کیجیو۔ بے شک تو اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرے گا۔"

——— اور اس کا اختتام ہوا اس حد درجہ جامع آیت پر کہ:

"اے اہلِ ایمان! صبر سے کام لو۔ مقابلے میں پامردی کا ثبوت دو اور حفاظت و

مدافعت میں چوکس رہو، اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ تاکہ تم فلاح پاؤ۔"
وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ۝

تقریر نمبر ۴

# ابتدائی طویل مدنی سورتوں کا دوسرا جوڑا

قرآن مجید کی ابتدائی چار طویل مدنی سورتوں کا دوسرا جوڑا سورۂ نساء اور سورہ مائدہ پر مشتمل ہے اور ان دونوں کے مابین سورۂ بقرہ اور سورۂ آلِ عمران کی طرح صوری و معنوی دونوں قسم کی مشابہتیں موجود ہیں۔ چنانچہ معنوی مشابہتوں کے ضمن میں دونوں میں ایک طرف تو گویا شریعتِ اسلامی کی تکمیل ہوگئی ہے اور سورۂ نساء میں عائلی اور خاندانی سطح پر اور سورۂ مائدہ میں معاشرتی و ملّی سطح پر مسلمانوں کی حیاتِ اجتماعی کے ضمن میں تکمیلی ہدایات دے دی گئی ہیں۔ اور دوسری طرف یہود و نصاریٰ سے بھی آخری باتیں ہوگئی ہیں ——— اور ظاہری مشابہتوں کے ضمن میں نمایاں ترین تو یہ ہیں کہ دونوں کا آغاز بھی بلا تمہید ہوا ہے یعنی نہ حروفِ مقطعات آئے ہیں نہ اور کوئی تمہیدی کلام بلکہ خطاب کا آغاز براہِ راست: "یَآ اَیُّھَا النَّاسُ" ——— اور: "یَآ اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا" کے الفاظ سے ہوگیا ہے۔ اور اسی طرح دونوں کا اختتام بھی نہایت سادگی سے ہو گیا ہے ——— اور ایک اور مشابہت جو قدرے غور کرنے پر نظر آتی ہے، یہ ہے کہ ان دونوں کو سورہ بقرہ اور آلِ عمران کی طرح نصف نصف میں تقسیم کرنا ممکن نہیں ہے بلکہ ان میں مضامین باہم زیادہ گتھے ہوئے ہیں۔

## سورۂ نساء

سورۂ نساء کے مضامین کے تجزیئے کے ضمن میں دو باتوں کو پیشگی طور پر جان لینا بہت مفید ہے یعنی:

ایک یہ کہ اس میں خطاب تین گروہوں سے ہے ایک امّتِ مسلمہ سے بحیثیت امّتِ مسلمہ، دوسرے امّتِ مسلمہ کے فقط کالمسٹ عنصر یعنی منافقین سے اگرچہ ان کو بھی مخاطب: "یَآ اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا" کے پردے ہی میں کیا گیا ہے اور تیسرے اہلِ کتاب یعنی یہود و نصاریٰ سے ———

دوسرے یہ کہ ان تینوں سے خطاب ایک ایک بار ہی نہیں ہوگیا ہے بلکہ وقفے وقفے سے ہوا ہے۔ چنانچہ اُمّتِ مُسلمہ کو خطاب پہلے تو آیات ۱ تا ۴۳ میں ہے پھر دوسری بار آیات ۱۲۷ تا ۱۳۵ میں اور پھر آخری آیت یعنی آیت ۱۷۶ میں ـــــ اسی طرح اہلِ کتاب سے گفتگو پہلے آیات ۴۴ تا ۷۵ میں آئی ہے اور پھر آیات ۱۵۳ تا ۱۷۵ میں، اور منافقین سے خطاب پہلے آیات ۵۸ تا ۱۲۶ میں ہوا ہے اور پھر آیات ۱۳۶ تا ۱۵۲ میں۔

اِن حصص کی تعیین کے بعد اب ایک ایک جُزء کے مضامین پر بحیثیتِ مجموعی نگاہ ڈالیے:

## خطاب بہ اُمّتِ مُسلمہ

اس سورۂ مبارکہ کے وہ حصّے جن میں اُمّتِ مُسلمہ سے بحیثیتِ اُمّتِ مُسلمہ خطاب فرمایا گیا ہے بحیثیتِ مجموعی سورۂ بقرہ کے نصفِ ثانی سے بہت مشابہت رکھتے ہیں۔ چنانچہ ان میں شرعی احکام بھی ہیں اور اخلاقی تعلیمات بھی اور دین کے اساسی عقائد کے مباحث بھی ہیں اور فلسفہ و حکمت کے ذیل میں نہایت جامع تعلیمات بھی۔

**احکامِ شرعی** احکامِ شرعی کے ذیل میں اس سورۂ مبارکہ میں سب سے زیادہ تفاصیل عائلی و خاندانی زندگی سے متعلق آئی ہیں اور چونکہ خاندانی اور سماجی زندگی کا نقطۂ آغاز ایک گھر کی آبادی اور ایک مرد اور ایک عورت کا ازدواجی رشتے میں منسلک ہونا ہے لہٰذا سب سے زیادہ تفصیلی احکام اسی کے ضمن میں دیئے گئے ہیں۔ چنانچہ اس کا آغاز ہی اُس آیت سے ہوا ہے جسے گویا اس موضوع کے لیے جامع ترین عنوان کی حیثیت حاصل ہے۔ چنانچہ آنحضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے بالکل بجا طور پر اسے خطبۂ نکاح کا جزوِ لاینفک بنا لیا۔ ارشاد ہوتا ہے:

"اے لوگو! تقویٰ اختیار کرو اپنے اس ربّ کا جس نے تمھیں ایک جان سے پیدا کیا اور اُسی سے بنایا اُس کا جوڑا بھی، اور پھر ان دونوں سے پھیلا دیا کثیر تعداد میں مردوں اور عورتوں کو ـــ اور بچتے رہو اس اللہ کی نافرمانی سے بھی جس کا تم ایک دوسرے کو واسطہ دیا کرتے ہو اور قطع رحمی سے بھی۔ اور آگاہ رہو کہ اللہ تمھاری نگرانی فرما رہا ہے!"

اس جامع ہدایت کے بعد سماجی زندگی کے مختلف پہلوؤں سے متعلق حسبِ ذیل ہدایات دی گئی ہیں:

(۱) آیات ۲ تا ۶ :- یتیموں کے حقوق کی نگہداشت اور اُن سے حُسنِ سلوک کی تاکید۔

(۲) 〃 ۷ تا ۱۴ :- تقسیمِ وراثت کے ضمن میں اخلاقی تعلیم بھی اور قانونی ضابطہ بھی جس کا تکملہ و تتمہ آیت ۱۷۶ میں وارد ہوا۔

(۳) آیات ۱۵ تا ۱۶ :- جنسی بے راہروی کی روک تھام کے لیے تعزیرات کا بیان۔

(۴) 〃 ۱۹ تا ۲۵ :- عورتوں کے ساتھ حُسنِ معاشرت کی تاکید اور اس ضمن میں حسبِ ذیل اہم امور کی وضاحت کہ:

(الف) عورت آزاد شخصیت کی حامل اور قانونی تشخّص کی حقدار ہے، نہ کہ مردوں کی ملکیت یا مالِ وراثت۔ (ب) عورتوں کو دیا ہوا مہر یا دوسرا مال واپس لینے کے لیے ان کو بیجا تنگ کرنا اور ان پر تہمت لگانا انتہائی دناءت اور کمینہ پن ہے۔ (ج) باپ کی منکوحہ بیٹے پر حرام ہے۔ (د) ان عورتوں کی تفصیل جن سے نکاح جائز نہیں۔ (ہ) نکاح کے اصل مقاصد گھر کی آبادی اور عصمت و عفت کی حفاظت ہیں نہ کہ صرف شہوت رانی یا مستی نکالنا، چنانچہ اس کے کچھ شرائط ہیں جن کا لحاظ رکھنا ضروری ہے (و) جو لوگ آزاد اور خاندانی مسلمان عورتوں سے نکاح کی استطاعت نہ رکھتے ہوں انہیں بدرجۂ مجبوری لونڈیوں سے نکاح کی اجازت۔ (ز) تعدّدِ ازواج کی صورت میں عدل کی شرط!

(۵) اور پھر آیات ۱۲۷ تا ۱۳۴ میں مزید وضاحت کہ عدل میں صرف ان چیزوں کا لحاظ ہوگا جن میں ناپ تول ممکن ہو۔ دلی میلان و رغبت انسان کے اختیار سے باہر ہے لہٰذا اس پر مواخذہ نہ ہوگا۔ البتہ یہ نہیں ہونا چاہئے کہ ایک بیوی کی طرف اس طرح جھک جایا جائے کہ دوسری بے چاری نہ خاوند والی شمار ہو نہ بے خاوند! ـــــ اور (۶) یہ کہ اگر میاں بیوی میں کسی طرح بھی موافقت پیدا نہ ہو سکے تو بدرجۂ مجبوری طلاق کا راستہ اختیار کر لینے میں کوئی قباحت نہیں۔ طلاق اللہ کو ناپسند تو ہے لیکن حرام نہیں! ہو سکتا ہے کہ اللہ دونوں کے لیے بہتر صورت پیدا فرما دے۔ (۷) گھریلو زندگی اور خاندانی نظام کے بارے میں ان تفصیلی احکام کے ساتھ اس سورۂ مبارکہ میں عائلی نظام کے ضمن میں اہم اصولی مباحث بھی وارد ہوئے۔ چنانچہ آیات ۳۴

تا ۳۵ میں تین اہم حقائق بیان ہوئے:
ایک یہ کہ اللہ کی تخلیق میں بعض کو بعض پر مختلف پہلوؤں سے فضیلت عطا ہوئی ہے۔ بندوں کا کام یہ ہے کہ اسے خوشدلی سے قبول کریں۔ دوسرے یہ کہ عورتوں کے مقابلے میں مردوں کو بعض اعتبارات سے فضیلت حاصل ہے اور خاندانی نظام کی صحت و درستی مرد کی قوامیت ہی کے اصول پر استوار ہو سکتی ہے۔ تیسرے یہ کہ نکاح کا بندھن اتنا معمولی نہیں ہے کہ ذرا ذرا سی بات پر توڑ دیا جائے۔ عدم موافقت اور باہمی نزاع و اختلاف کی صورت میں جانبین کے اعزہ و اقربا کو اصلاحِ حال کی سرتوڑ کوشش کرنی چاہیے۔

**حکمت و معرفت** نظامِ عائلی کے بارے میں ان حکیمانہ مباحث کے علاوہ سورۂ بقرہ کی طرح اس سورۂ مبارکہ میں دین کے بنیادی فلسفے اور حکمت کے بھی بعض گراں قدر موتی بھی جابجا جڑ دیئے گئے ہیں، چنانچہ:-

(۱) آیات ۲۶ تا ۲۸ میں نفسِ شریعت کے بارے میں افراط و تفریط کی نشاندہی کی گئی یعنی یہ کہ بعض لوگوں کو تو شریعت فی نفسہٖ ایک ناگوار بوجھ نظر آتی ہے۔ حالانکہ وہ انسان کو فوز و فلاح سے ہمکنار کرنے اور اس کی زندگی کے گوناگوں مسائل و معاملات کو ایک حد درجہ حسین اعتدال و توازن کے ساتھ منضبط کرنے کا ذریعہ ہے۔ اور دوسری طرف بعض لوگ شریعت میں اپنی مشکل پسند طبیعت کے باعث سختی پیدا کرتے چلے جاتے ہیں۔ جس سے لوگوں کی گردنوں پر واقعۃً بہت بھاری بوجھ آجاتا ہے۔ اِن دونوں رجحانات سے بچنے کی شدید ضرورت ہے۔

(۲) آیات ۲۹ تا ۳۱ میں واضح کیا گیا کہ نظامِ شریعت میں احترامِ جان و مال کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ اور معاصی کے ذیل میں واضح کیا گیا کہ اگر انسان اپنے آپ کو کبیرہ گناہوں سے بچائے تو اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ صغیرہ گناہوں کو بخش دے گا۔

(۳) آیات ۱۷، ۱۸ میں توبہ کے بارے میں واضح کیا گیا کہ ایک توبہ تو وہ ہے جس کا قبول کرنا اللہ نے اپنے اوپر واجب کر لیا ہے یعنی اُس شخص کی توبہ جس سے گناہ جذبات کی رَو میں سرزد ہو گیا ہو اور وہ فوراً ہی رُجوع کر لے ـــــ اور دوسری توبہ وہ ہے جس کی قبولیت کا کوئی امکان نہیں۔ یہ ان لوگوں کی توبہ ہے جو جان بوجھ کر معصیت میں زندگی بسر کر دیتے ہیں اور جب

موت کا زمانہ آکھڑی ہوتی ہے تب توبہ کرتے ہیں۔ اِن دو انتہاؤں کے مابین معاملے کا ذکر حذف کر دیا گیا تاکہ انسان خوف اور رجاء کے بین بین رہے۔

(۴) آیات ۳۶ تا ۴۰ میں نہایت جامعیت کے ساتھ دین کے اساسی احکام کا خلاصہ پیش فرما دیا گیا، کہ دین کا اصلُ الاُصول تو ہے توحید۔ چنانچہ وہ سب سے بڑا گناہ جس کی بخشش نہیں ہوگی، شرک ہے۔ اِس کے بعد معاملہ ہے ادائے حُقوق اور حُسنِ سُلوک کا، جس میں سرِفہرست ہیں والدین، پھر رشتہ دار، پھر یتامٰی و مساکین، پھر پڑوسی خواہ وہ رشتہ دار ہو خواہ اجنبی اور خواہ اُس کے ساتھ نہایت مختصر عرصہ کے لیے عارضی ساتھ ہو گیا ہو، اور پھر ہیں مسافر اور پھر ادائے حقوق سے گفتگو کا رُخ مڑ گیا انفاق فی سبیل اللہ کی تاکید اور بخل کی مذمت پر۔

(۵) آیات ۴۱، ۴۲ میں نقشہ کھینچ دیا گیا عدالتِ اُخروی کا جس میں قوموں اور اُمّتوں کے محاسبے کے وقت سرکاری گواہوں کی حیثیت سے پیش ہوں گے اُن کے انبیاءِ کرام۔ اس ضمن میں وہ آیت قابلِ توجہ ہے جس کی قراءت حضرت عبداللہؓ بن مسعود سے سُن کر آنحضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے تھے، اور جس کا ترجمہ یہ ہے:

"تو کیا ہوگا اُس دن جبکہ ہم ہر اُمّت میں سے اُس کے خلاف ایک گواہ کھڑا کریں گے۔ اور آپ کو کھڑا کریں گے (اے نبی!) ان لوگوں کے خلاف گواہ کی حیثیت سے، اس روز وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا ہوگا، یا رسول کی نافرمانی کی ہوگی، خواہش کریں گے کہ وہ زمین میں دھنس جائیں اور زمین ان پر برابر کر دی جائے ـــ اور وہ اللہ سے کوئی بات چھپا نہ سکیں گے!"

یہ گویا اسی 'شہادت علی النّاس' کا اُخروی پہلو ہے جس کا ذکر سورۂ بقرہ میں آیا اور جس طرح سُورۂ بقرہ میں اس کے معًا بعد مسلمانوں کو ہدایت کی گئی تھی کہ اس عظیم منصب کی ذمّہ داریوں کی ادائیگی کے ضمن میں مدد حاصل کرو صبر اور صلوٰۃ سے ـــ اسی طرح یہاں اس کے فوراً بعد آیت ۴۳ میں ذکر آیا نماز کا ـــ اور نماز کے ظاہری و معنوی موانع اور ان سے نجات حاصل کرنے کے ذرائع کا۔

**اُصُولِ شہریّت** | عائلی اور گھریلو زندگی سے بلند تر سطح پر ایک صالح اور صحت مند معاشرہ کی تعمیر کے ضمن میں سورۂ نساء میں بعض نہایت اہم اور اصولی ہدایات بھی دی گئی ہیں چنانچہ

(۱) آیت ۵۸ میں فرمایا گیا:

"اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے حقداروں کے سپرد کرو اور جب تم لوگوں کے مابین فیصلہ کرنے لگو تو عدل و انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو۔ یہ بہت ہی اعلیٰ اور عمدہ نصیحت ہے جو اللہ تمہیں کر رہا ہے۔ اور اللہ تو ہے ہی سب کچھ سننے والا اور سب کچھ دیکھنے والا۔"

اور ظاہر ہے کہ ادائے امانت اور قیام عدل و انصاف کے بغیر کسی بھی صحت مند اجتماعی نظام کی تعمیر کی توقع نہیں کی جا سکتی!

(۲) پھر آیت ۸۵ میں فرمایا: "جو کوئی سفارش یا تائید کرے گا بھلائی کی تو اس کے اجر میں سے اُسے بھی حصّہ ملے گا اور جو کوئی سفارش یا تائید کرے گا برائی کی تو خود بھی اُس کے وبال میں شریک ہو کر رہے گا، اور اللہ ہر ہر چیز کا پورا پورا حساب رکھنے والا ہے!" —— ظاہر ہے کہ یہ بھی حیاتِ اجتماعی کا زرّیں اُصول ہے اور یہ وہی بات ہے جو اگلی سورت یعنی سُورۂ مائدہ میں ان الفاظ میں آئے گی: "اور تعاون کرو برّ و تقویٰ کے ہر کام میں اور ہرگز تعاون نہ کرو کسی بھی گناہ یا ظلم کے کام میں!"

(۳) پھر آیت ۸۶ میں ارشاد فرمایا: "جب تمہیں سلام کیا جائے یا دُعا دی جائے تو تم بھی جواباً اس سے بہتر طور پر سلام کرو یا دعا دو ورنہ کم از کم اسی انداز میں لوٹا دو، اور اللہ ہر ہر چیز کا حساب لینے والا ہے!" —— یہ گویا آداب کی تعلیم ہے اور اس سے اسلامی معاشرے میں محبت و یگانگت کے احساسات پروان چڑھتے ہیں۔

اس سلسلہ کی اہم ترین کڑی آیت ۱۳۵ ہے جس میں فرمایا گیا: "اے اہل ایمان! پوری قوّت و استقامت کے ساتھ عدل و انصاف کے علمبردار اور اللہ کے گواہ بن کر کھڑے ہو جاؤ!" —— یہی ہدایت الفاظ کی ترتیب کے تھوڑے سے فرق کے ساتھ سورۂ مائدہ آیت ۸ میں آئی ہے —— اور یہ گویا اسی فرضِ منصبی کی ادائیگی کی تاکید ہے جس کے لیے اُمّتِ مُسلمہ برپا کی گئی یعنی خلق پر خالقِ ارض و سماء کی جانب سے قولی و عملی شہادت اور اتمامِ حجّت! اور اس پر ختم ہوتا ہے اس سورۂ مبارکہ کے ان حصص کے مضامین کا خلاصہ جن میں خطاب اُمّتِ مُسلمہ سے بحیثیّت امّتِ مسلمہ ہوا ہے۔

## خطاب بہ اہلِ کتاب

اہلِ کتاب کے ساتھ سورۂ نساء میں خطاب بہت مختصر ہے یعنی پہلے آیات ۴۴ تا ۵۷

میں اور پھر آیات ۱۵۳ تا ۱۵۷ میں، اور ان میں بھی جہاں تک یہود کا تعلق ہے ایک تو انداز براہِ راست گفتگو کا نہیں بلکہ بر سبیلِ تذکرہ اور بالواسطہ خطاب کا ہے۔ اور دوسرے تگ و دعوت کا نہیں بلکہ تمام تر ملامت اور زجر و توبیخ کا ہے۔ البتہ نصاریٰ کے ساتھ گفتگو براہِ راست بھی ہے اور اس میں تہدید و تثنیہ کے ساتھ ساتھ دعوت اور افہام و تفہیم کا رنگ بھی موجود ہے۔

چنانچہ اس سورت میں ایک بار پھر یہود کے اُن جرائم کی فہرست سامنے آتی ہے جن کی تفصیل سورۂ بقرہ میں بیان ہو چکی ہے۔ جیسے اللہ کی کتابوں میں لفظی و معنوی تحریف۔ یا صرف زبان کو توڑ موڑ کر یا لہجے کی تبدیلی سے الفاظ کے معانی کا بدل دینا۔ حضرت موسیٰؑ سے اُن کا یہ کہنا کہ ہم نہیں مانیں گے جب تک کہ خدا کو خود اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لیں۔ پھر نبی کی زندگی ہی میں بچھڑے کو معبود بنا لینا اور بدترین اور عریاں ترین شرک کا مرتکب ہو جانا، حضرت مریم پر بہتان باندھنا اور حضرت عیسیٰؑ کو اپنی امکانی حد تک تو سولی پر چڑھوا کر ہی دم لینا، یہ دوسری بات ہے کہ اللہ نے انہیں اس سے بچا لیا اور آسمان پر اٹھا لیا۔ مزید برآں عملی و اخلاقی گراوٹوں کے ذیل میں سحر اور اعمالِ سفلیہ سے دلچسپی رکھنا، سود کھانا اور لوگوں کے مال حرام طریقوں سے ہڑپ کر جانا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ان سب کے باوصف صاحبِ دین و شریعت ہونے پر فخر کرنا اور تقویٰ اور پرہیزگاری کا ڈھونگ رچانا۔ وغیر ذٰلك من السیئات!

اور ساتھ ہی نہایت زوردار الفاظ میں مسلمانوں کو متنبہ کیا گیا کہ ان کی چکنی چپڑی باتوں پر مت جاؤ۔ ان کے دلوں میں حسد کی آگ جل رہی ہے اور وہ تمہاری دشمنی میں بالکل اندھے ہو چکے ہیں اور تمہیں گمراہ کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کر رہے۔ ان کے لیے یہ چیز ناقابلِ برداشت ہے کہ دین و شریعت اور کتابِ الٰہی کے حامل ہونے کا مقام اور مرتبہ ان سے چھین کر تمہیں عطا کر دیا۔ چنانچہ اب وہ تمہیں ہر ممکن طریق سے گمراہ کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔

اس سورۂ مبارکہ میں یہ تنبیہات اس اعتبار سے بہت اہمیت کی حامل ہیں کہ ان کا ایک بڑا حصہ جو اس کے نصف کے لگ بھگ ہے نفاق اور منافقین سے بحث کرتا ہے اور یہ مرض اصلاً یہود ہی کے چھوت سے مسلمانوں بالخصوص انصار کے دونوں قبیلوں یعنی اوس اور خزرج کے ایسے لوگوں کو لگا جو یا تو خود بھی ضعفِ ایمان کی کیفیت میں مبتلا تھے اور دین کے عملی تقاضے انفاقِ مال اور جہاد و قتال ان پر شاق گزر رہے تھے۔ گویا نفاق کی فصل کے لیے ان کے دلوں کی زمین پہلے سے تیار تھی جس میں یہود نے نہایت ہوشیاری اور مکاری سے اس

مرض کے بیج بو دیئے، یا وہ بہت سادہ لوح تھے اور اپنی سادگی کے باعث یہود کی چکنی چپڑی اور بظاہر عالمانہ و فاضلانہ باتوں سے متأثر ہو جاتے تھے۔ الغرض انصار اور یہود کے دیرینہ روابط اور قدیم مراسم ہی وہ خطرہ اور اندیشہ کی جگہ بن گئے تھے جہاں سے نفاق کا مرض امتِ مسلمہ میں جڑ پکڑ رہا تھا۔

یہود کی شر انگیزی کی ایک بہت نمایاں مثال جو اس سورت میں بیان ہوئی وہ یہ ہے کہ انہوں نے بظاہر نہایت معصومی کے ساتھ آنحضورؐ سے مطالبہ کیا کہ جس طرح حضرت موسےٰ علیہ السّلام کو بصورتِ الواح لکھی ہوئی کتاب عطا کی گئی تھی۔ ہم آپ کی نبوّت کو تسلیم نہیں کریں گے جب تک آپ بھی ایسی ہی کتاب پیش نہ کریں، جس پر آیت ۱۶۳ سے آیت ۱۶۶ تک نبوّت و رسالت اور ارسالِ وحی و انزالِ کتب کے ضمن میں نہایت اہم حقائق بیان ہوئے اور یہ بھی واضح کر دیا گیا کہ وحی پہلے بھی کسی ایک ہی صورت میں نہیں آئی بلکہ مختلف صورتوں میں آتی رہی ہے۔ اور یہ بھی واضح کر دیا کہ بعثتِ رُسُل کی اصل غرض صرف انذار و تبشیر ہے تاکہ لوگوں پر اللہ کی طرف سے حجّت قائم ہو جائے اور اُن کے پاس خدا کے یہاں پیش کرنے کے لیے کوئی عذر باقی نہ رہ جائے: رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝

نصاریٰ کے ساتھ گفتگو کی تقریب اس سورۂ مبارکہ میں یہود کے حضرت مریمؑ پر بہتان لگانے اور حضرت مسیحؑ کے بارے میں ان کے اس گمان سے پیدا ہوئی کہ معاذ اللہ ہم نے انہیں قتل کر دیا اور سولی پر چڑھوا دیا۔ چنانچہ ایک طرف تو یہود کے اِن غلط دعاوی کی تردید کی گئی اور اصل حقیقت پر سے پردہ اٹھا دیا گیا اور دوسرے خود نصاریٰ سے خطاب کر کے فرمایا گیا:

"اے اہلِ کتاب! اپنے دین میں غلوّ سے کام نہ لو۔ اور اللہ پر جھوٹ مت تراشو۔ مسیح عیسیٰ ابنِ مریم اس کے سوا کچھ نہیں کہ اللہ کے رسول ہیں اور اس کا ایک خاص کلمہ جو اس نے مریم کی جانب القا کیا اور ایک روح اس کی جانب سے! پس ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسولوں پر اور تثلیث کا دعویٰ نہ کرو۔ باز آجاؤ، اسی میں خیر ہے۔ اللہ تو بس اکیلا ہی معبود برحق ہے، وہ پاک ہے اس سے کہ اُس کے اولاد ہو۔ ویسے آسمانوں اور زمینوں میں جو کچھ ہے سب اُسی کا ہے ——اور وہ کافی ہے بھروسے اور اعتماد کے لیے!! نہ مسیح کو اللہ کی بندگی میں کوئی

عار ہے نہ ملائکۂ مقربین کو، اور جو کوئی اللہ کی بندگی میں عار محسوس کرے گا اور تکبر کرے گا تو وہ ان سب کو جمع کرے گا۔ پھر جو لوگ ایمان والے بھی ہوں گے اور انہوں نے نیک عمل بھی کیے ہوں گے، تو ان کو تو وہ بھرپور بدلہ بھی دے گا اور مزید فضل سے بھی نوازے گا، اور جنھوں نے عار و استکبار کی روش اختیار کی ہو گی انہیں دردناک عذاب دے گا اور وہ اللہ کے مقابلے میں نہ کوئی دوست پائیں گے نہ مددگار۔ اے لوگو! آچکی ہے تمھارے پاس تمھارے رب کی جانب سے دلیل و برہان بھی اور نازل کر دی ہے ہم نے تمھاری طرف واضح روشنی بھی۔ تو جو لوگ اللہ پر ایمان لائیں گے اور اس کے دامن سے مضبوطی کے ساتھ وابستہ ہو جائیں گے تو انہیں وہ داخل کرے گا اپنی رحمت اور فضل کے سائے میں اور رہنمائی فرمائے گا ان کی اس صراطِ مستقیم کی طرف جو سیدھی اس تک پہنچانے والی ہے۔"

## تقریر نمبر ۵

# خطاب بہ منافقین

سورۂ نساء کے وہ حصے جن میں روئے سخن منافقین کے جانب ہے۔ اس سورۂ مبارکہ کے لگ بھگ نصف پر مشتمل ہیں۔ ان کے بارے میں دو باتیں اچھی طرح سمجھ لینی چاہئیں: ایک یہ کہ چونکہ منافقین قانونی اعتبار سے اُمّتِ مُسلمہ ہی کا جُزو تھے لہٰذا اُن سے خطاب "یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا" ہی کے الفاظ سے ہُوا ہے۔ لیکن خطاب کا مضمون اور اُس کا سیاق و سباق بتا دیتا ہے کہ یہاں رُوئے سخن مومنینِ صادقین کے جانب نہیں بلکہ منافقین کی طرف ہے۔ اگر یہ حقیقت ملحوظ نہ رہے تو بسا اوقات الفاظ کے عموم سے مغالطے کے باعث صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے سُوءِ ظن پیدا ہو سکتا ہے جو بڑی ہی قابلِ مذمت بات ہے۔ دوسرے یہ کہ منافقین کو زجر و توبیخ کے ضمن میں دین کے وہ تمام اُمُور تفصیلاً زیرِ بحث آگئے ہیں جو اُن پر گراں اور شاق گزرتے تھے اور اس طرح دین کے گراں اور ثقیل تقاضوں کے بیان کے ضمن میں سُورۂ نساء کے اُن حصّوں نے نہایت اہم اور جامع مقام کی حیثیت اختیار کر لی ہے۔

**رسول کی کلّی اطاعت اور کامل متابعت** دین کے ان بھاری تقاضوں میں سے اوّلین اور اہم ترین ہے رسول کی کلی اطاعت اور کامل متابعت جو سرکش اور انانیت پسند طبائع پر ویسے بھی بہت شاق گزرتی ہے اور خاص طور پر جب اس میں جان و مال کے کسی نقصان

کا بھی اندیشہ ہو تب تو یہ ان لوگوں پر بہت ہی گراں گزرتی ہے جن کے دلوں میں ایمان راسخ نہ ہو چکا ہو ــــ چنانچہ سب سے پہلے آیت ۵۹ سے آیت ۶۵ تک اس موضوع پر کلام ہوا ــــ اور واقعہ یہ ہے کہ اس موضوع پر یہ مقام قرآن مجید کا "ذروۃ السنام" ہے !!

(۱) اطاعتِ رسول کے ضمن میں سب سے پہلے تو اسلام میں اطاعت کے نظام کا حوالہ دیا کہ: "اے اہلِ ایمان ! اطاعت کرو اللہ کی، اور اطاعت کرو اُس کے رسول کی ــــ اور اپنے میں سے صاحبِ اختیار لوگوں کی اور اگر جھگڑ پڑو کسی معاملے میں تو لوٹا دو اسے اللہ اور رسول کی جانب !" گویا اطاعتِ الٰہی کے مانند اطاعتِ رسول بھی مستقل بالذات ہے ــــ بقیہ تمام اطاعتیں ان دونوں اطاعتوں کے تابع اور اُن کے ساتھ مشروط ہیں !!

(۲) دوسری بات یہ واضح کی گئی کہ رسول بھیجے ہی اس لیے جاتے ہیں کہ اُن کی اطاعت کی جائے۔ اُن کا کام معاذ اللہ چٹھی رسانوں کی طرح محض کتاب کا پہنچا دینا ہی نہیں ہے بلکہ وہ اپنی ذات میں مُطاع ہوتے ہیں ــــ اور یہ اطاعت بھی اس درجہ کی مطلوب ہے کہ کسی معاملے میں اُن کا فیصلہ تسلیم نہ کرنا تو درکنار اگر تسلیم تو کر لیا لیکن دلی رضامندی سے نہیں تو یہ بھی ایمان کے منافی ہوگا۔ (ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ۝)

(۳) اس تنبیہ کے ساتھ ہی مثبت طور پر اطاعت و اتباعِ رسول کا مقام و مرتبہ بھی واضح کر دیا گیا کہ: جو لوگ اللہ اور رسول کی اطاعت پر کاربند ہو جاتے ہیں ان کو معیت نصیب ہوگی اُن کی جن پر اللہ کا انعام ہوا یعنی انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین؛ اور کیا ہی اچھی ہے اُن کی رفاقت ! (أُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِم مِّنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ ۚ وَحَسُنَ أُولَٰئِكَ رَفِيقًا ۝)

(۴) آگے چل کر آیت ۸۰ میں مزید واضح کر دیا گیا کہ رسول کی اطاعت درحقیقت اللہ ہی کی اطاعت ہے۔ اور رسول کی نافرمانی دراصل اللہ کی نافرمانی ہے۔ (مَّن يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ)۔

**قتال فی سبیل اللہ** | دوسری چیز جو منافقین پر بہت گراں گزرتی تھی وہ تھا جہاد اور

قتال کا حکم جس میں جان و مال کو کھپانا پڑتا تھا اور شدید خطرات مول لینا پڑتے تھے چنانچہ آیت ۱۹۰ سے قتال فی سبیل اللہ کا موضوع شروع ہوا اور پہلے تو واضح الفاظ میں حکم دیا کہ اے اہلِ ایمان! اپنی حفاظت کا سامان (یعنی تیر و تلوار اور ڈھال وغیرہ) ہاتھ میں لو اور نکلو اللہ کی راہ میں جنگ کے لیے باقاعدہ فوج کشی کے انداز میں بھی اور چھاپہ مار جنگ کے طریقہ پر بھی! اور پھر ان لوگوں کو نہایت بلیغ پیرائے میں ملامت کی گئی جو اللہ کی راہ میں جنگ کرنے سے گریز کی راہیں تلاش کرتے رہتے تھے اور کبھی جان بوجھ کر تاخیر و تعویق کے بہانے بنا کر پیچھے رہ جاتے تھے اور کبھی دہائی دیتے تھے کہ "اے ربّ! تو نے ہم پر یہ قتال کیوں فرض کر دیا اور ہمیں مزید مہلت کیوں نہ دی؟" — اس ضمن میں ترغیب اور تشویق کے لیے ایک طرف حیاتِ دنیوی کے مقابلے میں حیاتِ اُخروی کی سعادتوں اور اللہ کے اجر و ثواب کا حوالہ دیا اور دوسری طرف اُن کی غیرت و حمیّت کو للکارا کہ تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ اللہ کی راہ میں اور ان کمزور اور ستائے ہوئے مسلمانوں کی نصرت و امداد کی غرض سے جہاد نہیں کرتے جو مشرکین کے ظلم کی چکّی میں پس رہے ہیں اور تیسری طرف اس حقیقت کے جانب بھی توجہ دلائی کہ اگر موت کا خوف آڑے آ رہا ہے تو موت سے تو کوئی مفرّ نہیں، وہ تو خواہ تم پہروں والے قلعوں میں چھُپ کر بیٹھ جاؤ وہاں بھی تمہیں آ دبوچے گی۔

یہ مضمون آیت ۸۳ میں اپنے نقطۂ عُروج (CLIMAX) کو پہنچ گیا ہے جس میں فرمایا گیا: "اے نبی! (اگر یہ اللہ کی راہ میں قتال سے جی چرائیں تب بھی) آپ جنگ کریں اللہ کے راستے میں آپ پر اصلاً صرف اپنی ہی ذمّہ داری ہے۔ البتہ اہلِ ایمان کو اس کے لیے اُبھارتے رہیں۔ کیا عجب اللہ اہلِ کفر کی جنگی قوّت توڑ دے، اور ظاہر ہے کہ سب سے قوی جنگ تو اللہ کی ہے اور سزا دینے پر سب سے بڑھ کر قادر تو وہی ہے!" ہمارے لیے یہ اندازہ کرنا مشکل ہے کہ اس آیت سے مومنین صادقین کے قلوب پر کیا قیامت گزری ہوگی۔ اور جس کے دل میں ذرّہ برابر بھی ایمان ہوگا وہ کیسے تڑپ اُٹھا ہوگا، اور ضعفِ ارادہ کا زنگ دلوں سے کیسے صاف ہو گیا ہوگا۔ اس کی ایک مثال اگلی سورت یعنی سُورۂ مائدہ میں بھی ہے جہاں حضرت موسیٰ علیہ السّلام کا قول نقل ہوا ہے کہ جب بنی اسرائیل نے قتال سے انکار کیا تو انہوں نے بارگاہِ ربّانی میں عرض کیا: "اے رب! مجھے سوائے اپنی ذات اور اپنے بھائی کے اور کسی پر کوئی اختیار حاصل نہیں!" فرق صرف یہ ہے کہ بنی اسرائیل کی تو عظیم اکثریت نے قتال سے انکار

کیا تھا اور امتِ محمدؐ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے صرف چند گنے چُنے منافق تھے جنھوں نے جنگ سے جی چُرایا۔

**ہجرت** | جہاد و قتال کے ساتھ ساتھ تیسری چیز جو منافقین پر بہت شاق تھی وہ ہجرت کا حکم تھا اس لیے کہ گھر بار چھوڑنا اور اعزّہ و اقربا سے قطعِ تعلق کرنا آسان نہیں اِلّا آنکہ دلوں میں ایمان پختگی کے ساتھ جاگزیں ہوگیا ہو! اس سلسلے میں واضح رہنا چاہیے کہ ہجرت بذاتِ اصل جہاد و قتال ہی کا پیش خیمہ تھی اس لیے کہ اسی سے ایک مقام پر جمع ہوجانے کے باعث مسلمانوں کا وہ مرکز (BASE) وجود میں آیا جس سے کفر و شرک کے خلاف اقدام کا امکان پیدا ہوسکا!

(۱) اس سلسلہ میں سب سے پہلے تو آیات ۸۸، ۸۹ میں واضح کردیا گیا کہ جو لوگ ہجرت کے حکمِ عام کے بعد بھی ہجرت نہ کریں وہ گویا ثابت کردیتے ہیں کہ انہیں وطن یا گھر بار یا اعزّہ و اقربا، یا جائیداد یا کاروبار وغیرہ زیادہ محبوب ہیں اللہ اور اُس کے رسول اور اس کے دین اور اس کے غلبے کی سعی و جہد سے۔ اور یہی نفاق کی اصل حقیقت ہے۔ چنانچہ مسلمانوں کو حکم دے دیا گیا کہ اُن سے کوئی واسطہ نہ رکھیں، اور اس سلسلہ میں کسی دلی تعلق یا مصلحت کو آڑے نہ آنے دیں۔

(۲) اس کے بعد آیات ۹۷ تا ۱۰۰ میں مزید وضاحت کردی کہ "کچھ لوگ ایسے بھی ہیں کہ جب ملائکہ ان کی جانیں قبض کرتے ہیں اور ملامت کرتے ہیں کہ تم کس حال میں تھے؟" یعنی تمہارے ایمان نے کیسے گوارا کرلیا کہ ہجرت نہ کرو بلکہ دار الکفر ہی میں ڈیرہ لگائے رہو تو وہ عذر پیش کریں گے کہ "ہم مغلوب ہوگئے تھے اور ہمیں دبا لیا گیا تھا!" جواب ملے گا "کیا اللہ کی زمین وسیع نہ تھی کہ تم اس میں کسی جانب ہجرت کرجاتے!" ــــ پھر صاف اعلان کردیا گیا کہ "اُن کا ٹھکانا جہنّم ہوگا اور وہ بہت ہی برا ٹھکانا ہے۔"

(۳) اس شدید وعید سے مستثنیٰ کیا گیا صرف ان معذور و مجبور لوگوں یا عورتوں اور بچّوں کو جن کو نہ ذرائع سفر حاصل ہوں نہ راستہ ہی کا علم ہو۔

(۴) اور آخر میں ترغیب اور تشویق کے لیے وضاحت فرمادی گئی کہ جو اللہ کی راہ میں ہجرت کرے گا وہ اللہ کی زمین میں وسعت بھی پائے گا اور پناہ کی جگہیں بھی، بقولِ شاعر ؎

سفر ہے شرط مسافر نواز بہتیرے ہزارہا شجرِ سایہ دار راہ میں ہے!

اور یہ کہ جو اثنائے سفرِ ہجرت میں واصل بحق ہوگیا اس سے قبل کہ دار الہجرت یعنی مدینہ منوّرہ پہنچ سکے وہ اللہ کے یہاں مہاجر ہی شمار ہوگا اور اُس کا اجر اللہ کے ذمّے ہے اس لیے کہ جیسا کہ آنحضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: "اعمال کا دار و مدار نیّتوں پر ہے!"

**بعض ضمنی مباحث** | قتال فی سبیل اللہ اور ہجرت کے مباحث کے ساتھ ساتھ ضمنی طور پر بعض ایسے مسائل بھی زیرِ بحث آگئے جو اس مرحلے پر عملی مشکلات کے طور پر سامنے آئے۔

(۱) ان میں سے ایک یہ کہ کسی مومن کے ہاتھوں مومن کا قتل ہے۔ اس ضمن میں فرمایا گیا کہ کسی مومن کے ہاتھوں کسی مومن کے قتلِ عمد کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، ہاں قتلِ خطا کا امکان موجود ہے۔ سو اس صورت میں ایک تو عام ضابطے کے مطابق مقتول کے ورثاء کو دیت دینی ہوگی اِلّا آنکہ وہ معاف فرمادیں اور اضافی طور پر ایک مسلمان غلام کو آزاد کرنا ہوگا۔ البتہ اس صورت میں کہ مقتول کسی کافر قبیلے سے تعلّق رکھتا ہو، دیت ادا نہیں کی جائے گی اور صرف مسلمان غلام کا آزاد کرنا کافی ہوگا۔ اور اگر وہ معاہد قبیلہ سے تعلّق رکھتا ہو تو دیت بھی دینی ہوگی۔ اور اگر کوئی شخص غلام آزاد کرنے کی استطاعت نہ رکھتا ہو تو اسے پے بہ پے دو ماہ کے روزے رکھنے ہوں گے ـــــ آخر میں متنبّہ کر دیا گیا کہ: "اگر کسی مومن نے جان بوجھ کر یعنی عمداً کسی مومن کو قتل کیا تو اسے ہمیشہ کے لیے جہنّم میں جھونک دیا جائے گا!"

(۲) دوسری ہدایت یہ دی گئی کہ حالتِ جنگ میں بھی اگر کوئی شخص اسلام و ایمان کا اظہار کرے تو اس کے اسلام و ایمان کو قبول کرنے سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

(۳) تیسرا معاملہ صلوٰۃِ خوف کا ہے جس کی طرف اجمالی اشارہ سورۂ بقرہ میں آگیا تھا اب اس کی تفصیلی صورت یہاں واضح کر دی گئی خصوصاً آنحضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی موجودگی میں جب کہ بجا طور پر ہر شخص آپ ہی کی امامت میں نماز ادا کرنے کا خواہش مند ہوتا تھا کہ پہلے ایک گروہ آپ کی امامت میں نماز ادا کرلے اور بقیہ لوگ پہرے پر رہیں۔ پھر پہلا گروہ ان کی جگہ پہرے پر چلا جائے اور وہ لوگ آپ کے پیچھے نماز ادا کرلیں تاکہ کوئی بھی آپؐ کی اقتداء کے شرف سے محروم نہ رہے! مزید تاکید فرمادی گئی کہ جیسے ہی حالات درست ہوں نماز کے نظام کو اُس کے تمام ضوابط و آداب کے ساتھ قائم کرلو۔

**منافقین کی شرارتیں** | اس کے بعد آیات ۱۰۵ تا ۱۲۶ یعنی سولہویں، سترھویں اور اٹھارویں رکوع میں منافقین کی شرارتوں کا ذکر ہے۔ اور ان کے کردار کی پوری نشاندہی

کردی گئی ہے تاکہ اہل ایمان ان کو اچھی طرح پہچان لیں اور کسی خاندانی یا گروہی عصبیت کے باعث ان کی حمایت پر آمادہ نہ ہو جائیں۔ اس ضمن میں آیت ۱۰۹ میں بڑی سخت وعید وارد ہوئی کہ :

"اس دنیا کی زندگی میں تو تم ان کی جانب سے جھگڑ لو گے لیکن سوچو کہ قیامت کے دن ان کی جانب سے کون مدافعت کرے گا۔ یا کون اُن کا حمایتی اور وکیل بننے کی جرأت کرے گا ؟"

اُن کی شرارتوں کے ضمن میں اُن کے نجویٰ کا ذکر بھی کیا گیا جو وہ اپنی نجی محفلوں میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے خلاف کیا کرتے تھے ، اور اس کا بھی کہ غلطیاں خود کرتے تھے اور تھوپ دیتے تھے مخلص مگر سادہ لوح مسلمانوں پر ـــ اور آخری بات جو ارشاد فرمائی گئی وہ یہ کہ چونکہ وہ یہود کے زیرِ اثر تھے۔ لہذا اس سب پر بھی ان ہی کی طرح کھوکھلی "امانی" کی بنا پر مغفرت ہی نہیں درجاتِ بلند کے اُمیدوار تھے ع
"ببیں تفاوتِ راہ از کجا است تا بہ کجا !" ـــ چنانچہ آیت ۱۱۵ میں واضح کر دیا گیا کہ "جو شخص رسول سے دشمنی رکھے گا اور مخلص اہلِ ایمان کا راستہ چھوڑ کر کوئی دوسری راہ اختیار کرے گا اسے اللہ تعالیٰ اس کی شامتِ اعمال ہی کے حوالے کر دے گا اور بالآخر وہ جہنم میں جھونک دیا جائے گا !"

**نفاق کی ماہیت** سورۂ نساء میں منافقین سے خطاب کا دوسرا حصہ آیات ۱۳۶ تا ۱۵۲ پر مشتمل ہے اور اس میں آغاز ایک انتہائی مؤثر اپیل سے کیا گیا ہے یعنی "اے ایمان والو! ایمان لاؤ اللہ پر اور اُس کے رسول پر اور اُس کتاب پر بھی جو اُس پر نازل کی گئی اور اس کتاب پر بھی جو پہلے نازل کی گئی تھی !"

گویا ایمان کے دو درجے ہیں ایک ظاہری اور قانونی ایمان ـــ یہ تو منافقین کو بھی حاصل تھا۔ دوسرا حقیقی اور قلبی ایمان جو عبارت ہے یقینِ محکم سے اور جس سے منافق بے بہرہ محض تھے۔ چنانچہ آیت میں ان ہی سے خطاب فرما کر کہا گیا ہے کہ اصل قلبی ایمان تک رسائی کی کوشش کرو اس لیے کہ اُخروی نجات کا دار و مدار اسی پر ہے۔

پھر نفاق کی اصل حقیقت کو کھولا گیا کہ یہ ایمان اور کفر کے مابین تردّد اور تذبذب کی کیفیت کا نام ہے ، کہ ایک قدم اُدھر ہے اور دوسرا اُدھر ـــ چنانچہ آیت ۱۳۷ میں فرمایا :

"بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے، پھر کفر میں مبتلا ہوئے، پھر ایمان لائے، پھر کفر میں مبتلا ہو گئے اور پھر اُس میں بڑھتے چلے گئے۔ اللہ ان کو ہرگز نہ معاف فرمانے والا ہے نہ راہ یاب کرنے والا۔ ایسے منافقوں کو تو آپ اے رسول! دردناک عذاب ہی کی بشارت دے دیجیے!"

اور آیت ۱۴۳ میں فرمایا: "یہ مذبذب ہو کر رہ گئے ہیں، نہ یکسوئی سے اِدھر ہوتے ہیں نہ اُدھر!"

**منافقین کا کردار** پھر اس مقام پر دوبارہ ان کے کردار کی بعض جھلکیاں دکھا دی گئیں۔ کہ ایک تو یہ کافروں سے دوستی رکھتے ہیں اور اُن کے ساتھ روابط و تعلّقات کو باعثِ شرف و عزّت جانتے ہیں اور دوسرے اتنے بے غیرت ہیں کہ اس واضح ہدایت کے باوجود بھی کہ "اگر کہیں اللہ کی آیات کا مذاق اُڑایا جا رہا ہو تو وہاں سے اُٹھ جاؤ" یہ وہیں بیٹھے رہتے ہیں، تیسرے یہ کہ اصل میں یہ منتظر ہیں کہ دیکھیں اُونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے۔ اگر مسلمانوں کو فیصلہ کُن فتح ہو جائے تو یہ کہیں گے کہ ہم بھی تو تمہارے ساتھ ہی تھے اور اگر کہیں کافروں کو غلبہ حاصل ہو جائے تو یہ اُن کے سامنے اپنی خدمات گنوائیں گے کہ ہم نے مسلمانوں کو ایسے معاملات میں اُلجھائے رکھا کہ وہ یکسوئی کے ساتھ تمہارے مقابلے میں نہ آ سکے۔ گویا یہ اللہ اور اہلِ ایمان کے ساتھ دھوکے بازی کا معاملہ کر رہے ہیں۔ حالانکہ اللہ ان کی رسّی دراز کر کے انہیں فریب میں مبتلا کر رہا ہے (واضح رہے کہ یہ وہی الفاظ ہیں جو سورۂ بقرہ کے دوسرے رکوع میں بھی وارد ہوئے تھے) —— آخر میں ان کی عبادت گزاری کا پول بھی کھول دیا گیا کہ یہ نمازیں پڑھتے تو ہیں لیکن انتہائی کسل مندی کے ساتھ اور صرف دکھاوے کی!

**نفاق کا انجام** اور اس کے بعد آئے وہ لرزہ خیز الفاظ جن سے اہلِ ایمان کے دل کانپ اُٹھتے ہیں یعنی: "اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا ۝" (منافقین آگ کے سب سے نچلے درجے میں ہوں گے اور تم اُن کے لیے کوئی مددگار نہ پاؤ گے!) اَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنْ ذٰلِكَ! اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَعُوْذُ بِكَ مِنَ النِّفَاقِ وَالرِّيَاءِ —— (اے اللہ! ہم تیری پناہ میں آتے ہیں نفاق اور ریاکاری سے!) فاعذنا منهما یا ربّ العالمین

**تفریق بین اللہ و رُسُلِہ** اس طویل بحث کا اختتام اُسی مضمون پر ہوا ہے جس سے اُس کا آغاز ہوا تھا یعنی اللہ اور اُس کے رسولوں کے مابین تفریق کہ اللہ کو مانا جائے اور رسولوں کا انکار کیا جائے، یا رسولوں میں سے بعض کو مانا جائے اور بعض کو نہ مانا جائے۔

یا اللہ کی اطاعت کا اقرار تو کیا جائے لیکن رسول کی اطاعت شاق گزرے ــــ یہ تمام صورتیں در اصل کفر ہی کی ہیں: "اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْکٰفِرُوْنَ حَقًّا" خواہ وہ بزعم خویش مسلم و مومن ہوں۔ غور کیا جائے تو جس طرح سورۂ بقرہ کے دوسرے رکوع میں جس کردار کی نقشہ کشی کی گئی تھی اُس میں یہود اور منافقین دونوں پوری طرح فٹ بیٹھتے تھے۔ اسی طرح سورۂ نساء کے اس مقام پر بھی جس گمراہی کی نشاندہی کی گئی اس میں یہ دونوں گروہ شریک تھے اور دونوں کا مرض ایک ہی تھا یعنی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بغض و عداوت اور اُن پر ایمان یا اُن کی اطاعت سے اِباء و اعراض! اور یہ اس لیے کہ نفاق کا پودا درحقیقت یہودیت ہی کا کاشت کردہ تھا اور اُس کی آبیاری اُن ہی کے پروپیگنڈے اور ریشہ دوانی سے ہوتی تھی۔

آخر میں فرمایا کہ اس کے برعکس جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں پر اس شان کے ساتھ ایمان لائیں کہ اُن کے مابین کسی قسم کی تفریق کے مرتکب نہ ہوں وہ ہیں درحقیقت صاحبِ ایمان، اور اُن کا اجر اُن کے رب کے پاس محفوظ ہے۔ گویا بقول علامہ اقبال

بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر باُو نہ رسیدی تمام بولہبی است

واٰخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین!

تقریر نمبر ۶

# سورۂ مائدہ

سورۂ فاتحہ سمیت قرآن مجید کی پانچویں اور ابتدائی چار طویل مدنی سورتوں کے گروپ کی چوتھی اور آخری سورت، سورۂ مائدہ ظاہری اور معنوی دونوں اعتبارات سے زیادہ قریبی مشابہت تو رکھتی ہے سورۂ نساء سے، لیکن بحیثیتِ مجموعی اس پورے گروپ کے مشترک مضامین اس سورۂ مبارکہ میں تکمیل اور اتمام کو پہنچ گئے ہیں۔ چنانچہ اس میں:

ایک طرف تو شریعتِ اسلامی کا وہ قصرِ عظیم پایۂ تکمیل کو پہنچ گیا ہے جس کا ابتدائی خاکہ سورۂ بقرہ میں تیار ہوا تھا اور جس میں خصوصاً گھریلو زندگی سے متعلق احکام کے ضمن میں مزید تفصیلی رنگ سورۂ نساء میں بھرا گیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس سورت میں شہنشاہِ ارض و سما کا وہ اہم فرمان بھی وارد ہو گیا کہ: ــــ "اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ

وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ط !" (آج ہم نے تمہارے لیے اپنے دین کی تکمیل فرما دی اور تم پر اپنی نعمت کا اتمام فرما دیا اور تمہارے لیے اسلام کو پسند اور قبول فرما لیا!) اور شریعت عطا کرنے کے بعد جس طرح سابقہ امتوں سے اُس کی پابندی کا پختہ عہد و پیمان لیا جاتا تھا۔ اسی طرح امتِ محمّد علیٰ صاحبہا الصّلوٰۃ والسّلام سے بھی لیا گیا اور اس طرح اس سورت نے گویا 'سُورۂ میثاق' کی حیثیت اختیار کر لی۔ اور اس کا انتہائی موزوں عنوان قرار پایا ایفائے عہد کا حکم ــــ یعنی "یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ !" (اے اہلِ ایمان! پورے کیا کرو جملہ عہد و پیمان اور قول و قرار!)

دوسری طرف اہلِ کتاب کو دعوت و ملامت اور اُن پر فی الجملہ اتمامِ حجّت کے ضمن میں بھی جو طویل مباحث پچھلی تینوں سورتوں میں آئے تھے اُن پر آخری مہر اس سورت میں ثبت فرما دی گئی اور یہ مضمون بھی اس سورت میں تکمیل کو پہنچ گیا۔

ان دو بنیادی موضوعات کے علاوہ جو مدنی سورتوں کے اس گروپ کے لیے بمنزلۂ عمود ہیں۔ دوسرے اہم مضامین بھی جو پچھلی سورتوں میں آئے، اس سورت میں تکمیلی رنگ میں موجود ہیں۔ مثلاً شہادتِ حق اور اُس کے دُنیوی و اُخروی پہلو، جہاد فی سبیل اللہ اور اُس سے جی چرانے والے منافقین کو تنبیہ و ملامت اور عقاید و ایمانیات کے اساسی مباحث اور حکمت و معرفت کے قیمتی موتی۔

اس ابتدائی تعارف کے بعد آئیے کہ اس سورت کے مضامین کا تفصیلی جائزہ لیں:۔
اس ضمن میں یہ وضاحت پہلے کی جا چکی ہے کہ سورۂ نساء کی طرح اس سورت میں بھی مضامین ایک مضبوط بٹی ہوئی رسّی کے مانند گُتھے ہوئے ہیں بالکل علیحدہ علیحدہ حصّوں میں منقسم نہیں ہیں۔

**شریعت کے تکمیلی احکام** | شریعتِ اسلامی کے ضمن میں جو تکمیلی احکام اس سورۂ مبارکہ میں نازل ہوئے وہ اجمالاً یہ ہیں:۔

۱۔ کھانے پینے کی چیزوں کی حلّت و حرمت کے ذیل میں آیات ۳ تا ۵ میں سُورۂ بقرہ میں بیان شدہ ضابطے کی مزید تشریح۔ اور ایک طرف مردار، خون اور خنزیر کی فہرست میں مردار ہی کی مزید شرح کے طور پر گلا گھٹنے، چوٹ کھانے، اُونچائی سے گرنے یا کسی جانور کے سینگ مارنے سے مرے ہوئے جانوروں کا اضافہ ــــ اور دوسری جانب شرک کی نجاستِ باطنی کی بنا پر حرام ہونے میں غیر اللہ کے نام پر ذبح کیے جانے والے جانوروں کے ساتھ اُن کا

بھی شامل کیا جانا جو کسی استھان پر ذبح کئے گئے ہوں خواہ نام اللہ ہی کا لیا گیا ہو۔ مزید آں سدھائے ہوئے شکاری جانوروں کے ذریعے حاصل شدہ شکار، اہلِ کتاب کے ذبیحے، اور درندوں کے پھاڑے ہوئے جانوروں کے حلال ہونے کی صراحت اگر وہ زندہ مل جائیں اور انہیں ذبح کرلیا جائے۔

۲- نکاح کے ضمن میں آیت ۵ میں اہلِ کتاب کی شریف اور خاندانی خواتین سے نکاح کی اجازت، نکاح کی ان جملہ شرائط کے اعادے کے ساتھ جو سورۂ نساء میں بوضاحت بیان ہو چکیں۔

۳- حرمتِ جان و مال، جسے انسان کی اجتماعی زندگی کی شہ رگ کی حیثیت حاصل ہے اور جس کے بارے میں اُصولی بحث سورۂ نساء میں آ گئی تھی، کے ضمن میں آیات ۲۷ تا ۳۲ میں قتلِ ناحق کی مذمت کے ذیل میں پہلے ہابیل و قابیل کے واقعہ کا بیان، پھر تورات کے حکم کا بیان اور پھر ان لوگوں کی سزا کی تشریح جو معاشرے میں فساد اور بدامنی پھیلانے کے جرم کے مرتکب ہوں، آیات ۳۸، ۳۹ میں چوری کی سزا کا بیان یعنی قطعِ ید اور آیت ۴۵ میں قصاص کے ضابطے کی مزید وضاحت!

۴- آیت ۸۹ میں وضاحت کی کہ بلامقصد کھائی ہوئی قسموں پر مواخذہ نہیں ہے لیکن سوچ سمجھ کر کھائی ہوئی قسم پر کفّارہ دینا ہوگا، یعنی دس مساکین کو کھانا کھلانا یا کپڑے پہنانا یا ایک غلام کو آزاد کرنا- اور بصورتِ عدمِ استطاعت تین روزے۔

۵- آیات ۸۹، ۹۰ میں شراب، جوئے، استھانوں اور پانسوں کے تیروں کی قطعی و حتمی حرمت کا اعلان- مؤخر الذکر دونوں چیزوں کا ذکر آیت ۳ میں بھی ہے۔

۶- نماز کے ضمن میں آیت ۶ میں وضو کے حکم کی تفصیل ---- اور مجبوری و معذوری کی صورت میں وضو اور غسل دونوں کے قائم مقام کی حیثیت سے تیمّم کے اس ضابطے کا اعادہ جو سورۂ نساء میں بیان ہو چکا تھا۔

۷- حج اور مقاماتِ حج اور متعلقاتِ حج کے ذیل میں پہلے آیات ۱، ۲ اور پھر آیات ۹۷ تا ۹۹ میں (ا) شعائر اللہ خصوصاً بیت اللہ، اشہرِ حُرُم، ہدی اور قربانی کے جانوروں اور حُجاجِ بیت اللہ کے احترام کا تاکیدی حکم- (واضح رہے کہ صفا اور مروہ کے شعائر اللہ میں شامل ہونے کی صراحت سورۂ بقرہ میں آ چکی ہے)

(ب) احرام کی حالت میں شکار کی ممانعت ـــــ اور اس حکم کی خلاف ورزی پر سزا کے ضابطے کی تفصیل، اور اس کی تصریح کہ سمندر کا شکار اس حکم سے مستثنیٰ ہے۔

۸- وصیّت کے سلسلے میں آیات ۱۰۶ تا ۱۰۸ میں قانون شہادت کی تفصیل، خصوصاً حالت سفر میں کیا کیا جائے اور یہ کہ اگر وصیّت اور اس کی شہادت کے بارے میں اشتباہ پیش آ جائے تو کیا کیا جائے۔

**حکمتِ تشریع** | حکمتِ تشریع کے ذیل میں جو قیمتی ہدایات اس سورۂ مبارکہ میں وارد ہوئیں وہ یہ ہیں :-

۱- حکم دینے کا اختیار اللہ کو ہے اور اُس کا یہ اختیار مطلق ہے: "اِنَّ اللّٰہَ یَحْکُمُ مَا یُرِیْدُ" (اللہ جو چاہتا ہے حکم دیتا ہے) ـــــ (آیت ۱)

۲- شریعت کے احکام پر مسلمانوں کو معذرت خواہانہ انداز اختیار کرنے کے بجائے خود اعتمادی کا اظہار کرنا چاہیئے اور اغیار کے طعن و استہزاء کی ہرگز پروا نہیں کرنی چاہیئے : "فَلَا تَخْشَوْھُمْ وَاخْشَوْنِ" (آیت ۳)۔ (پس اُن سے مت ڈرو صرف مجھ ہی سے ڈرو)

۳- شریعت بوجھ نہیں تمام تر نعمت ہے !: "وَلِیُتِمَّ نِعْمَتَہٗ عَلَیْکُمْ وَلَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ" (آیت ۶) ـــ (اور تاکہ نعمت پوری کرے تم پر، تاکہ تم شکر کرو!)

۴- البتہ تشدّد پسندی بھی فتنے کا موجب ہے۔ رخصتوں سے فائدہ اُٹھانے میں ہچکچانا اچھا نہیں : "مَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیَجْعَلَ عَلَیْکُمْ مِّنْ حَرَجٍ" (آیت ۶) :- (اللہ تم پر تنگی پیدا نہیں کرنا چاہتا!)

۵- اسی طرح اللہ کی حلال کی ہوئی چیزوں کو خواہ مخواہ حرام ٹھہرا لینا بہت بڑی گمراہی ہے (آیات ۸۷، ۸۸)

۶- اسی طرح ایمان لانے سے قبل جو حرام چیزیں کھائیں یا پیئیں اُن کے بارے میں بھی پریشانی کی ضرورت نہیں۔ وہ تمام حساب ایمان اور توبہ کے ذریعے صاف ہو جاتا ہے۔ (آیت ۹۳)

۷- اہلِ ایمان کو ناپاک چیزوں کی کثرت سے مرعوب نہیں ہونا چاہیئے اصل چیز طہارت و پاکیزگی ہے نہ کہ کثرت و قلت۔ (آیت ۱۰۰)

۸- خواہ مخواہ کے سوالوں سے اجتناب کرنا چاہیئے، خصوصاً جس وقت قرآن نازل

ہو رہا تھا غیر ضروری کھود کرید مباحات کے دائرے کو تنگ کرنے کا سبب بن سکتی تھی اور یہی طریقہ تھا جس سے یہود نے اپنے اوپر شریعت کے بوجھ میں اضافہ کرایا۔ (آیت ۱۰۱)

۹۔ آخری اور اہم ترین یہ کہ شریعت ایک ناقابلِ تقسیم وحدت ہے۔ اس کے ایک جزو کا انکار بھی کل کا انکار شمار ہوگا بلکہ جو مسلمان شریعت کے کسی ضابطے کو جان بوجھ کر توڑتا ہے وہ گویا ایمان کے ساتھ کفر کا ارتکاب کرتا ہے، اس کے تمام اعمال خبط ہو جائیں گے: وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝ (آیت ۵) یہ گویا وہی مضمون ہے جو سورۂ بقرہ میں یہود سے خطاب کے ضمن میں ان الفاظ میں آیا تھا کہ "اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ ۭ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝" (کیا تم کتابِ الٰہی کے ایک حصّہ پر ایمان رکھتے ہو اور اُس کے دوسرے حصّے کا انکار کرتے ہو؟ جو لوگ تم میں سے ایسا کرتے ہیں ان کی سزا دنیا کی زندگی میں رسوائی کے سوا اور کچھ نہیں اور آخرت میں یہ شدید ترین عذاب کی طرف بھیجے جائیں گے۔ اللہ اس چیز سے بے خبر نہیں ہے جو تم کر رہے ہو۔)

**حاملینِ شریعت کی ذمّہ داری اور مسئولیت:** شریعت کے ضمن میں آخری اور اہم ترین بات یہ کہ، یہ ایک معاہدہ ہے اللہ اور حاملِ شریعت اُمّت کے مابین اس کی خلاف ورزی معاہدے کی خلاف ورزی ہے اور اس میں سہل انگاری سے عاقبت کی تباہی کا خطرہ ہے۔ یہ مضمون اس سورت میں تین اسلوبوں سے آیا ہے اور تینوں کے ضمن میں سابقہ امتوں کا حوالہ اور ان کی محرومی کا بیان بھی آگیا ہے۔

۱۔ لفظِ "میثاق" کے حوالے سے، چنانچہ آیت ۷ میں مسلمانوں سے فرمایا: (یاد رکھنا اپنے اوپر اللہ کی اس نعمت کو اور اُس میثاق کو جس میں اللہ نے تمہیں جکڑ لیا ہے جب تم نے کہا کہ 'ہم نے سُنا اور مانا' اور اللہ سے ڈرتے رہو وہ دلوں کے حال سے باخبر ہے) اور پھر آیات ۱۲ تا ۱۴ میں فرمایا کہ اسی طرح ہم نے 'میثاق' لیا تھا بنی اسرائیل سے بھی اور نصاریٰ سے بھی۔ لیکن انہوں نے اسے جان بوجھ کر بھی توڑا، اور طاقِ نسیاں کی زینت بھی بنا دیا۔ گویا یہی سبب ہے اس کا کہ شریعت کی نعمت ان سے چھین کر تمہیں دی جا رہی ہے۔

۲۔ "حُكْمِ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ" کی اصطلاح کے حوالے سے، اس ضمن میں آیت ۴۸

میں فرمایا: "اللہ جو چاہتا ہے حکم دیتا ہے"۔ آیت ۴۴ میں فرمایا: "ہم نے ہی تورات نازل کی تھی جس میں ہدایت بھی تھی اور روشنی بھی، جس کے ذریعے فیصلہ کرتے تھے اللہ کے نبی! اس کے بعد آئے آیات ۴۴، ۴۵، ۴۷ میں لرزہ طاری کر دینے والے الفاظ جن کا حاصل یہ ہے کہ "جو لوگ اللہ کی اُتاری ہوئی شریعت کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہی کافر ہیں، وہی ظالم ہیں اور وہی فاسق ہیں!" اور یہی تھا وہ جرمِ عظیم جس کے مرتکب ہوئے یہود بھی اور نصاریٰ بھی ـــــ آخر میں آیات ۴۸، ۴۹ میں بتکرار و اعادہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے فرمایا: "فیصلہ کیجئے اُن کے مابین اللہ کی اُتاری ہوئی شریعت کے مطابق!" اور آیت ۵۰ میں جھنجھوڑنے کے انداز میں فرمایا: "کیا یہ جاہلیت کے فیصلوں کے طلب گار ہیں۔ حالانکہ اہلِ ایمان و یقین کے لیے اللہ کے حکم سے بہتر اور کسی کا فیصلہ نہیں ہو سکتا!"

۳۔ اور تیسرے "اقامت ما انزل من اللہ" کی اصطلاح کے حوالے سے۔ چنانچہ پہلے آیت ۶۶ میں اہلِ کتاب کے بارے میں فرمایا: "اگر وہ قائم کرتے توراۃ اور انجیل کو اور جو کچھ نازل کیا گیا تھا اُن کی طرف اُن کے ربّ کی جانب سے تو برکتیں نازل ہوتیں اُن کے اوپر سے بھی اور رزق کے چشمے پھوٹتے اُن کے پاؤں تلے سے بھی!" اور پھر آیت ۶۸ میں ڈنکے کی چوٹ اعلان کر دیا گیا کہ "کہہ دو (اے نبی!) اے اہلِ کتاب تمہاری کوئی بنیاد ہی نہیں ہے جب تک کہ تم قائم نہ کرو تورات و انجیل کو اور اس چیز کو جو تمہاری طرف تمہارے ربّ کی جانب سے نازل کی گئی!"

کاش کہ مسلمان اس آیت کو صرف "یٰٓاَھْلَ الْکِتٰبِ" کے بجائے "یٰٓاَھْلَ الْقُرْاٰنِ" کے الفاظ اپنے ذہن میں رکھ کر پڑھ سکیں تو انہیں معلوم ہو جائے کہ خدا کی رحمت ہم سے کیوں روٹھی ہوئی ہے اور ہماری دعائیں کیوں قبول نہیں ہوتیں۔ چنانچہ اسی خطاب "یٰٓاَھْلَ الْقُرْاٰنِ" سے آغاز ہوتا ہے ایک حدیث کا جس میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو حاملِ قرآن ہونے کی ذمہ داریوں سے آگاہ فرمایا ہے۔

**شہادت علی الناس** | لوگوں پر اللہ کی جانب سے حق کی شہادت اور اتمامِ حجت کا جو فریضہ انبیاء و رُسُل ادا کرتے رہے اور جواب اُمّتِ مسلمہ پر عاید کر دیا گیا ہے۔ اس کے ضمن میں اس سورۂ مبارکہ میں: (۱) ایک تو وہی عظیم الفاظ ذرا ترتیبِ لفظی کے فرق کے ساتھ آیت ۸ میں آئے جو اس سے قبل سورۂ نساء کی آیت ۱۳۵ میں آچکے ہیں یعنی "اے اہلِ ایمان!

پوری قوت اور استقامت کے ساتھ اللہ کے لیے کھڑے ہو جاؤ، عدل و انصاف کے گواہ بن کر!" اس مزید اضافے کے ساتھ کہ "کسی قوم کی عداوت تمھیں اس پر آمادہ نہ کر دے کہ تم جادۂ عدل سے منحرف ہو جاؤ، عدل کرو، یہی تقویٰ سے مناسبت رکھنے والی چیز ہے!" اسی مضمون کی تاکید مزید اس سے قبل اس سورۂ مبارکہ کی آیت ۲ میں آچکی تھی اس اضافے کے ساتھ کہ مسلمانوں کو نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں تعاون کے لیے ہر دم تیار رہنا چاہیئے اور گناہ اور ظلم میں کبھی تعاون نہیں کرنا چاہیئے۔

(۲) اور دوسرے سورۂ مبارکہ کے اختتام پر آیات ۱۰۹ تا ۱۲۰ میں ایک جھلک دکھادی اس حقیقت کی جس کی خبر دی تھی سورۂ نساء کی آیت ۴۱ میں کہ قیامت کی عدالت میں انبیاءؑ و رُسُل اور داعیانِ حق سرکاری گواہوں کی حیثیت سے اپنی اُمتوں کے خلاف گواہ بنا کر کھڑے کیے جائیں گے۔ چنانچہ نقشہ کھینچ دیا گیا کہ کیسے حضرت مسیحؑ گواہی دیں گے کہ اے ربّ میں نے انہیں ہرگز حکم نہیں دیا تھا مگر انہیں باتوں کا جن کا تو نے مجھے امر فرمایا تھا ــــ باقی اپنی تمام اعتقادی کجیوں اور عملی گمراہیوں کے ذمہ دار یہ خود ہیں۔

**جہاد فی سبیل اللہ** اسی طرح جہاد و قتال کے حکم اور اُس کے لیے ترغیب و تحریص کے ذیل میں بھی: (۱) پہلے تو آیات ۲۰ تا ۲۶ میں بنی اسرائیل کی تاریخ کا وہ شرمناک واقعہ بیان کہ جب اُن پر قتال فرض کیا گیا تو انہوں نے صاف انکار کر دیا اور اللہ کے رسول حضرت موسیٰ علیہ السّلام کو بارگاہِ ربّانی میں عرض کرنا پڑا کہ "اے رب مجھے سوائے اپنی جان اور اپنے بھائی کے کسی پر کوئی اختیار نہیں۔ پس تو ہمارے اور ہماری نافرمان قوم کے مابین تفریق فرما دے!" یہ گویا شرح ہوئی اُسی بات کی جو سورۂ نساء میں آنحضورؐ کو خطاب فرما کر کہی گئی تھی کہ اگر کوئی اور قتال کے لیے نہ نکلے تو آپ تن تنہا نکلیں! اور جس کا ایک عکس نظر آتا ہے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سیرت میں کہ جب مانعینِ زکوٰۃ سے قتال کرنے یا نہ کرنے کے ضمن میں اختلافِ رائے ہوا تو انہوں نے فرمایا کہ اگر اور کوئی جنگ کے لیے نہ نکلا تو میں تن تنہا نکلوں گا۔

(۲) اہلِ ایمان کو پہلے آیت ۳۵ میں مثبت طور پر جہاد کے لیے اُبھارا اور واضح کیا کہ اللہ تک رسائی اور اُس کی رضا کے حصُول کا اصل ذریعہ و وسیلہ جہاد فی سبیل اللہ ہی ہے اور پھر آیت ۵۴ میں مسلمانوں کو متنبہ کیا گیا کہ اگر تم نے اپنے دینی فرائض کو ادا

کرنے سے پہلوتہی کی تو اللہ تمہیں راندۂ درگاہِ حق فرما کر کسی اور قوم کو توفیق دے دے گا کہ ان فرائض کی انجام دہی کے لیے اُٹھ کھڑی ہو۔

**حکمت و معرفت** اساسی ایمانیات اور فلسفہ و حکمتِ دین کے قیمتی موتیوں کے ضمن میں اس سورۂ مبارکہ میں: ایک تو آیت ۹۳ بڑی اہم ہے جس میں قانونی ایمان جس میں اعمالِ صالحہ جُزوِ لاینفک کی حیثیت رکھتے ہیں، اور پھر احسان کی منزلوں اور اس ترقی و 'سیر اِلَی اللہ' کی اصل قوتِ محرکہ یعنی تقویٰ کا بڑی جامعیت اور فصاحت و بلاغت کے ساتھ ذکر ہے۔

دوسرے دعوت و تبلیغ اور شہادت علی النّاس کے ذیل میں دو عظیم حقائق بیان ہوئے یعنی ایک آیت ۶۷ میں کہ تبلیغ کُل کے کُل دین کی کرنا ہوگی۔ اس میں سے کسی ایک چیز کا کتمان بھی کُل کا کتمان شمار ہوگا! اور دوسرے آیت ۱۰۶ میں کہ اگر انسان اپنے امکانی حد تک تبلیغ کا حق ادا کر دے تو پھر کسی کی گمراہی اس کے لیے موجبِ ضرر و نقصان نہیں۔

**معاندین سے خطاب** جہاں تک یہود و نصاریٰ اور منافقین کا تعلق ہے اس سورۂ مبارکہ میں پھر ایک بار انہیں دعوتِ ایمان و اصلاح بھی دی گئی ہے، اور ان کی اعتقادی و عملی گمراہیوں کی نشاندہی بھی کی گئی ہے اور انہیں ملامت بھی فرمائی گئی لیکن اس موضوع کے اعتبار سے بھی اس سُورۂ مبارکہ کو 'حرفِ آخر' کا درجہ حاصل ہے اس سلسلے میں اہلِ کتاب نے جس طرح 'میثاقِ کتاب و شریعت' کی خلاف ورزی کی اور "حکم بما انزل اللہ" اور "اقامت ما انزل من اللہ" کے ضمن میں کوتاہیاں کیں ان کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ آیت ۷۸ میں فرمایا گیا کہ اُن کے انہی کرتوتوں کے باعث یہود پر تو پہلے بھی حضرات داؤد و عیسیٰ علیہما السّلام کی زبان سے لعنت کرائی جا چکی ہے جس کی تکمیل اب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن مجید کے ذریعے ہو رہی ہے۔ البتہ نصاریٰ میں ایسے حق پسند رہبان و قسیسین موجود ہیں جو جیسے ہی قرآن مجید کی آیات سنتے ہیں ان کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو جاتے ہیں اور وہ پکار اٹھتے ہیں "اے رب ہمارے ہم ایمان لائے پس ہمارا نام گواہوں کے ساتھ لکھ لے!" اور اس ضمن میں آخری تہدید وارد ہوئی آیت ۱۱۹ میں جس کا ترجمہ یہ ہے کہ:

"اے اہلِ کتاب! آگیا ہے تمہارے پاس ہمارا رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) راہِ

ہدایت کو واضح کرتے ہوئے، رسولوں کے سلسلے میں ایک وقفے کے بعد، مبادا تم
کہتے کہ ہمارے پاس تو نہ کوئی بشارت دینے والا آیا نہ خبردار کرنے والا پس
آ گیا بشارت دینے والا بھی اور خبردار کرنے والا بھی!"

یعنی آنحضورؐ کی بعثت کے بعد اب تمہارے پاس کوئی عذر نہ رہے گا۔ یہ گویا تشریح ہے اس ضابطہ کی جو سورۂ نساء میں ان الفاظ میں وارد ہوا تھا کہ : رُسُلًا مُّبَشِّرِیْنَ وَ مُنْذِرِیْنَ لِئَلَّا یَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ !

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝

تقریر نمبر ۷

# دوسرا گروپ

# الانعام — تا — التوبہ

قرآن حکیم کا تقریباً دو تہائی حصّہ مکّی سورتوں پر مشتمل ہے۔ ان میں سورۂ انعام اور سورۂ اعراف کلامِ پاک کی طویل ترین مکّی سورتوں کے ایک نہایت حسین اور جمیل جوڑے کی حیثیت رکھتی ہیں — ان دونوں میں خطاب کا اصل رُخ بنی اسمٰعیل بالخصوص قریشِ مکّہ کی طرف ہے اور پورے مکّی قرآن میں انہیں جن دلائل کے ساتھ توحید، معاد اور رسالت پر ایمان لانے کی دعوت دی گئی ہے۔ ان کا ایک جامع خلاصہ ان دونوں سورتوں میں آ گیا ہے۔ ساتھ ہی چونکہ یہ مکّی دور کے آخری حصّے میں نازل ہوئی ہیں لہٰذا ان میں تہدید و تنبیہ کا رنگ بھی بہت نمایاں ہے۔ اور چونکہ اس زمانے میں آنحضورؐ کی دعوت کا چرچا عرب میں دُور دُور تک پھیل چکا تھا اور آپؐ کی مخالفت میں بالواسطہ طور پر یہود بھی شامل ہو چکے تھے۔ لہٰذا چند مقامات پر اُن کے اعتراضات کا جواب بھی ضمنی طور پر دیا گیا ہے، اگرچہ ان سے براہِ راست خطاب نہیں کیا گیا۔ جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے چونکہ ابھی اُن کی حیثیت صرف ایک داعی جماعت کی تھی اور ان کے اپنے معاشرے یا ریاست کے قیام کا مرحلہ ابھی نہیں آیا تھا لہٰذا انہیں شریعت کے تفصیلی احکام ابھی نہیں دیئے گئے بلکہ زیادہ تر حق و باطل کی کش مکش کے پس منظر میں جو اس وقت انتہائی شدّ

اختیار کر گئی تھی، آنحضورؐ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے جاں نثاروں کو صبر و تحمل کی تلقین بھی کی گئی ہے اور حالات کی مناسبت سے ضروری ہدایات بھی دی گئی ہیں۔

سورۂ انعام اور سورۂ اعراف کے مابین مضامین کی تقسیم کو شاہ ولی اللہ دہلوی کی اختیار کردہ دو اصطلاحات کے حوالے سے بخوبی سمجھا جا سکتا ہے۔ یعنی سورۂ انعام میں اسلوب زیادہ تر "التذکیر بآلاءِ اللہ" کا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے احسانات اور اس کی ربوبیتِ عامّہ کی نشانیوں کے حوالے سے ایمان کی دعوت اور سورۂ اعراف میں انداز: "التذکیر بایّام اللہ" کا ہے، یعنی گذشتہ قوموں پر اللہ کے رسولوں کی تکذیب اور اُن کی دعوت کو قبول کرنے سے انکار و اعراض کی پاداش میں جو عذابِ استیصال نازل ہوئے ان کے حوالے سے انذار اور تہدید و تنبیہ!

# سُورۂ انعام

**تذکرہ حضرت ابراہیمؑ** سورۂ انعام ۱۶۵ آیات اور ۲۰ رکوعوں پر مشتمل ہے اور اس کے عین وسط میں حضرت ابراہیم علیہ السّلام کا ذکر ہے۔ کہ انہوں نے اوّلاً شرک کے گھٹاٹوپ اندھیروں میں آنکھ کھولنے کے باوجود کس طرح فطرتِ سلیمہ اور عقلِ سلیم کی رہنمائی میں نورِ توحید تک رسائی حاصل کی اور پھر انتہائی مخالفانہ ماحول میں وہ کس صبر و ثبات اور استقلال و پامردی کے ساتھ توحید پر جمے رہے اور نہ صرف یہ کہ پوری قوم کی مخالفت بھی ان کو مرعوب اور ہراساں نہ کر پائی۔ بلکہ انہوں نے دلیل کے میدان میں اپنی پوری قوم کو شکستِ فاش دی۔

حضرت ابراہیمؑ کا ذکر خاص طور پر اس لیے کیا گیا کہ قریشِ مکّہ نسلاً بھی اُن ہی کی ذرّیت تھے اور اس کے بھی مدّعی تھے کہ وہ دینِ ابراہیمی ہی پر کاربند ہیں، جسے وہ دینِ حنیفی بھی کہتے تھے چنانچہ ان پر واضح کیا گیا کہ اُن کے جدِّ امجد نے تو تمام معبودانِ باطل کا انکار کرتے ہوئے اعلان کیا تھا کہ:

| | |
|---|---|
| یٰقَوْمِ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِکُوْنَ ۙ | اے میری قوم کے لوگو! میں اُن سب سے |
| اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ | بیزاری اور لاتعلقی کا اعلان کرتا ہوں |
| فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا | جنھیں تم نے خدائی میں شریک سمجھ رکھا ہے۔ |
| وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ ۝ | میں نے تو بالکل یکسو ہو کر اپنا رُخ اُس |

ہستی کی طرف کر لیا ہے، جس نے زمین اور آسمانوں کو وجود بخشا — اور میں ہرگز شرک کرنے

والوں میں سے نہیں ہوں۔ ( الانعام : آیت ۷۸، ۷۹ )

اور پھر جب قوم نے انہیں اپنے مزعومہ معبودوں اور دیوتاؤں کی سزا سے ڈرایا تو انہوں نے دوٹوک اعلان کیا " آخر میں تمہارے جھوٹ موٹ کے شریکوں سے کیوں ڈروں۔ جبکہ تمہیں اللہ کے ساتھ ان چیزوں کو شریک کرتے خوف نہیں آتا جن کے لیے اُس نے کوئی سند نہیں اتاری۔ تو اگر تم عقل سے بالکل بے بہرہ نہیں ہو گئے ہو تو خود غور کرو کہ دونوں فریقوں میں سے بے خوفی اور اطمینان کا زیادہ حق دار کون ہے؟ سُن رکھو! کہ حقیقی امن بھی صرف اُن کے لیے ہے اور ہدایت پر بھی صرف وہی ہیں جو ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمان کو شرک کی نجاست سے آلودہ نہ ہونے دیا!"

**انبیائے بنی اسرائیل** | حضرتِ ابراہیمؑ کے ذکر کے ساتھ ہی اس سورۂ مبارکہ میں ستّرہ انبیاء و رُسل کا ذکر ہے۔ واضح رہے کہ حضراتِ انبیاء کے اسماءِ گرامی کا اتنا عظیم اور حسین و جمیل گلدستہ قرآن مجید میں صرف ایک ہی مقام پر اور ہے اور وہ ہے سورۂ انبیاء میں — ان جلیل القدر انبیاء و رُسُل کے ذکر کے بعد دو باتیں نہایت اہم ارشاد ہوئیں : ایک یہ کہ بفرضِ محال اگر یہ لوگ بھی شرک کرتے تو تمام تر جلالتِ شان کے باوجود اُن کے بھی تمام اعمال خبط ہو جاتے اور ساری نیکیاں اکارت جاتیں۔ گویا شرک اتنا بڑا جرم ہے کہ اُس کے ساتھ بڑی سے بڑی نیکی بھی مفید نہیں ہو سکتی۔ اور دوسرے یہ کہ آنحضور سے فرمایا گیا ہے کہ یہ ہے وہ مقدس جماعت جو اللہ کی جانب سے ہدایت پر تھی تو آپ بھی اُن کے نقشِ قدم پر چلیں یعنی حق کی راہ میں جو مصائب انہوں نے جھیلے اور جس صبر و ثبات کا مظاہرہ کیا وہی آپ کو اور آپ کے ساتھی اہلِ ایمان کو کرنا چاہیئے اس میں ضمناً اہلِ کتاب کے سامنے یہ حقیقت واضح کر دی گئی کہ آنحضورؐ اور آپ کے ساتھی اہلِ ایمان ہرگز کسی نسلی تعصب میں مبتلا نہیں ہیں اس لیے کہ اگرچہ انبیاءِ بنی اسرائیل نسلاً یہود کے اسلاف میں سے تھے لیکن قرآن نے اُن کی جلالتِ شان کے بیان میں ہرگز کسی بخل سے کام نہیں لیا!

**حسّی معجزہ کا مطالبہ** | حضرت ابراہیمؑ کے ذکر کو اس سورۂ مبارکہ میں مرکزی اہمیت حاصل ہے اور ان کی سرگذشت میں دراصل ایک جھلک دکھا دی گئی ہے اس صورتِ حال کی جو اس سُورت کے نزول کے وقت سرزمینِ مکّہ میں بالفعل موجود تھی۔ کہ ایک جانب آنحضور صلّی اللہ علیہ وسلّم اور آپؐ کے جاں نثار تھے اور دوسری طرف سردارانِ قریش اور ان کے متبعین اور اور نقشہ بعینہٖ وہی تھا کہ ؎

"آگ ہے، اولادِ ابراہیمؑ ہے، نمرود ہے" | کیا کسی کو پھر کسی کا امتحاں مقصود ہے؟
"ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز" یا | چراغِ مصطفویؐ سے شرارِ بولہبی!"

سورۃ انعام کے نزول کے وقت مکّہ میں یہ کش مکش انتہائی شدّت کو پہنچ گئی تھی اور معلوم ہوتا ہے کہ ہر طرف سے لاجواب ہو کر سردارانِ قریش نے آخری مورچہ اس مطالبے پر لگا لیا تھا کہ "اگر تم واقعۃً نبی یا رسول ہو تو کوئی محسوس معجزہ دکھاؤ!" اور صاف محسوس ہوتا ہے کہ اُن کے اِس مطالبے کی ظاہری معقولیّت سے عوام کی اکثریت بھی متأثر ہو گئی تھی، اور اس طرح اُس نے گویا ایک عوامی مطالبے کی صورت اختیار کر لی تھی۔ اُدھر اللہ تعالیٰ کا فیصلہ گویا یہ تھا کہ بنی نوعِ انسانی اس عہدِ طفولیّت سے گزر آئی ہے جس میں اُسے حسّی معجزوں کی ضرورت ہوتی تھی۔ اب جسے بات سمجھنی ہے وہ عقل اور دلیل سے سمجھے اور جہاں تک دلیلوں اور نشانیوں کا تعلق ہے تو وہ آفاق و انفس میں بھی چپّے چپّے پر موجود ہیں اور ان پر مستزاد قرآنِ حکیم کی آیاتِ بیّنات ہیں جنھوں نے اُن کو معجزانہ انداز میں اُجاگر کر دیا ہے۔ جو فی الواقع ہدایت کا طالب ہو اس کی ہدایت کا تو پورا سامان ان میں موجود ہے، رہے وہ جن کی عقلوں پر پردے پڑ چکے ہوں اور دلوں پر مہر لگ چکی ہو، تو اُن کے حق میں بڑے سے بڑا حسّی معجزہ بھی مفید نہیں ــــ اس صورتِ حال میں ظاہر ہے کہ نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم اور آپؐ کے ساتھی اہلِ ایمان کے صبر کا ایک سخت امتحان مضمر تھا۔ اور بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ بعض اہلِ ایمان کے دلوں میں بربنائے طبعِ بشری اس خیال کا پیدا ہو جانا بالکل فطری تھا کہ اگر ان کا مطالبہ پورا کر دیا جائے اور ان کی پسند کا کوئی حسّی معجزہ دکھا ہی دیا جائے تو کیا حرج ہے؟ کیا عجب کہ یہ لوگ ایمان لے آئیں، ورنہ کم از کم ان کی معقولیّت اور حق پسندی کا پول تو کھل ہی جائے گا! ــ یہی وجہ ہے کہ یہ موضوع اس سورۂ مبارکہ میں جا بجا زیرِ بحث آیا ہے اور اس بحث کے اعتبار سے یہ سورت قرآن مجید کے ذُروۃ السّنام یعنی چوٹی کی حیثیّت رکھتی ہے۔

● چنانچہ آیت ۴۸، ۴۹ میں فرمایا:

"ہم اپنے رسولوں کو صرف بشارت دینے والا اور خبردار کرنے والا بنا کر بھیجتے ہیں پھر جو ایمان لائیں اور اپنی اصلاح کر لیں تو اُن کے لیے نہ کوئی خوف ہے نہ رنج۔ اور جو ہماری آیات کو جھٹلائیں وہ اپنی نافرمانیوں کی سزا بھگت کر رہیں گے!"

● آیت ۱۰۴ میں فرمایا:

"دیکھو! تمہارے پاس تمہارے رب کی جانب سے بصیرت عطا کرنے والی آیات آچکی ہیں، تو جو بصیرت سے کام لے گا اُس کا فائدہ اُسی کو ہوگا اور جو اندھا بنا رہے گا تو اس کی وبال بھی اُسی پر آئے گا۔ اور میں ہرگز تمہارا ذمہ دار نہیں ہوں!"

● آیت ۵۰ میں فرمایا:

"کہہ دو! میں نے نہ اس کا دعویٰ کیا ہے کہ اللہ کے خزانے میرے اختیار میں ہیں، نہ اس کا کہ میں غیب کا علم رکھتا ہوں، نہ اس کا کہ میں فرشتہ ہوں، میں تو صرف اس وحی کی پیروی کرتا ہوں جو مجھ پر نازل کی جاتی ہے!"

● آیات ۷ تا ۹ میں فرمایا:

"اے نبیؐ! اگر ہم آپ پر لکھی لکھائی کتاب نازل کر دیتے اور یہ اُسے چھو کر بھی دیکھ لیتے تب بھی یہ کافر یہی کہتے کہ یہ تو صریح جادو ہے۔ وہ کہتے ہیں ان پر فرشتہ کیوں نہیں اُتارا گیا، اگر ہم فرشتہ اتار دیا ہوتا تو فوراً ہی ان کا فیصلہ ہی چکا دیا ہوتا۔ اور پھر کوئی مہلت انہیں نہ ملتی، اور اگر ہم فرشتہ بھیجتے تو اُسے بھی انسان ہی کی صورت میں بھیجتے۔ اور انہیں اسی اشتباہ میں ڈال دیتے جس میں یہ اس وقت مبتلا ہیں۔"

یہ مضمون پورے قرآن مجید میں اپنے نقطۂ عروج کو پہنچا ہے، اس سورۂ مبارکہ کی آیات ۳۳ تا ۳۸ میں، جن کا ترجمہ بیان کرتے ہوئے دل لرزتا ہے۔ اس لیے کہ ان میں بظاہر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم پر عتاب فرمایا گیا ہے۔ لیکن یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیئے کہ ایسی آیات میں اگرچہ خطاب بظاہر آنحضورؐ سے ہوتا ہے لیکن عتاب کا رُخ دراصل کفار، اور معاندین کی جانب ہوتا ہے جنھوں نے اپنی بے جا ہٹ دھرمی اور عیّارانہ مطالبات سے گویا آنحضورؐ اور آپؐ کے ساتھی اہلِ ایمان کو اس درجہ زچ کر دیا کہ بعض مسلمانوں کے دلوں میں یہ خیال پیدا ہوگیا کہ کیوں نہ انہیں اُن کا مطلوبہ معجزہ دکھا ہی دیا جائے۔ اس تصریح کے بعد آیات کا ترجمہ سُنئے، فرمایا:

"اے نبیؐ! ہمیں خوب معلوم ہے کہ اُن کی باتوں سے آپ کو رنج پہنچتا ہے لیکن یہ لوگ آپ کو تو نہیں جھٹلا رہے۔ یہ ظالم تو دراصل اللہ کی آیات کا انکار کر رہے ہیں۔ آپ سے پہلے بھی بہت سے رسولوں کی تکذیب کی گئی لیکن انہوں نے اس تکذیب اور ایذا پر صبر کیا۔ یہاں تک کہ ہماری مدد آپہنچی۔ اللہ کی باتوں کا بدلنا کسی کے بس میں نہیں

اور سابق رسولوں کے حالات آپ کو سنائے ہی جا چکے ہیں۔ پھر بھی اگر آپ سے ان کا اعراض و انکار برداشت نہیں ہوتا تو اگر ممکن ہو تو زمین میں سُرنگ کھود کر یا آسمان میں سیڑھی لگا کر اُن کے لیے کوئی نشانی لے آئیے۔ اگر اللہ چاہتا تو ان سب کو زبردستی حق پر جمع کر دیتا۔ پس آپ اس نادانی سے بچیں۔ اس دعوتِ حق پر لبیک وہی کہتے ہیں جو فی الواقع سنتے ہوں۔ رہے وہ جو حقیقت کے اعتبار سے مر چکے ہیں تو انہیں تو اللہ ہی دوبارہ اٹھائے گا اور پھر وہ اسی کی طرف لوٹا دیئے جائیں گے!"

کفّار اور معاندین کی اسی معنوی موت کی تعبیر آیت ۲۵ میں ان الفاظ میں کی گئی:

"اِن میں سے کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو بظاہر تو آپ کی بات پوری طرح کان لگا کر سنتے ہیں لیکن فی الواقع ہم نے اُن کے دلوں پر پردے ڈال دیئے ہیں کہ وہ سمجھ نہ پائیں اور ان کے کانوں میں گرانی پیدا کر دی ہے۔ چنانچہ اب وہ خواہ کوئی نشانی دیکھ لیں ایمان نہیں لائیں گے!"

واضح رہے کہ اللہ کا کفّار کے دلوں پر پردہ ڈالنا ابتداءً نہیں بلکہ ان کے اعراض و انکار کی سزا کے طور پر ہے۔ جیسا کہ اسی سورت کی آیت ۱۱۰ میں واضح کر دیا گیا کہ:

"ہم الٹ دیتے ہیں اُن کے دلوں اور اُن کی نگاہوں کو، جیسے کہ وہ ایمان نہیں لائے تھے۔ جبکہ حق ان پر منکشف ہوا تھا پہلی بار، اور ہم چھوڑ دیتے ہیں انہیں اپنی سرکشی ہی میں بھٹکتے رہنے کو!"

**توحید اور معاد** مشرکین اور منکرین قیامت کو توحید اور معاد پر ایمان کی دعوت اس سورۂ مبارکہ میں آفاق و انفس کے جن دلائل اور فطرت کی جن بدیہیات کی بنیاد پر دی گئی ہے، ان کی تفصیل کا یہاں امکان نہیں ہے۔ ویسے بھی یہ مضامین اِن شاء اللہ دوسری سورتوں میں تفصیلاً زیرِ بحث آئیں گے!

**یہود سے بالواسطہ خطاب** اہل کتاب، بالخصوص یہود کی جانب اس سورۂ مبارکہ میں چار مقامات پر اشارے کیے گئے ہیں: ایک آیت ۲۰ میں جہاں فرمایا گیا ہے کہ:

"جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی تھی وہ اسے یعنی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم یا قرآن مجید کو بالکل اس طرح پہچانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو، یہ دوسری بات ہے

کہ جو لوگ اپنے آپ کو تباہ کرنے پر تل گئے ہیں وہ ہرگز ایمان نہیں لائیں گے!"

دوسرے آیات ۹۱، ۹۲ میں جہاں یہود کی اس ڈھٹائی کا ذکر کیا گیا کہ آنحضورؐ کی دعوت کا راستہ روکنے کی دُھن میں وہ یہ تک کہہ گزرے کہ اللہ نے کبھی کسی انسان پر کچھ نازل نہیں کیا! چنانچہ بڑے بلیغ پیرائے میں اُن سے سوال کیا گیا کہ:

"اے نبی! ان سے پوچھو کہ پھر اس کتاب کو کس نے نازل کیا تھا، جسے موسیٰؑ لایا تھا اور جو انسانوں کے لیے روشنی بھی تھی اور ہدایت بھی اور جسے تم نے پارہ پارہ کر کے رکھ دیا ہے، کہ کچھ کو ظاہر کرتے ہو اور اکثر کو چھپاتے ہو۔"

بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اس سوال پر یہود میں سے جس میں بھی حق پسندی کی کوئی رمق باقی رہ گئی ہو گی اس کا سر ندامت سے کس طرح جھک گیا ہو گا! تیسرے آیت ۱۴۶ میں جہاں واضح کیا گیا کہ کھانے پینے کے ضمن میں جو سخت قدغنیں یہود پر لگائی گئی تھیں وہ شریعتِ اسلامی کا مستقل جزو نہ تھیں بلکہ اُن پر ان کی سرکشی کی سزا کے طور پر عاید کی گئی تھیں اور آخری اور چوتھی بار آیت ۱۵۴ میں جہاں تورات کا ذکر نہایت شاندار الفاظ میں کیا گیا کہ:

"ہم ہی نے موسیٰؑ کو وہ کتاب عطا کی تھی جو خیر کے طالب اور بھلائی کے خواہاں انسانوں پر نعمت کی تکمیل اور تمام ضروری اُمور کی تفصیل اور ہدایت اور رحمت پر مشتمل تھی!"

اور اس کے ساتھ ہی وارد ہوا قرآن مجید کا ذکر آیت ۱۵۵ میں:

"اور اسی طرح یہ کتاب ہے جو ہم نے نازل فرمائی ہے، سراپا خیر و برکت۔ پس اس کی پیروی کرو۔ تاکہ تم پر رحمت کا نزول ہو!"

**شرائع سماویہ کی اساسی تعلیمات** سورۂ بنی اسرائیل کے تیسرے اور چوتھے رکوع کے مانند اس سورۂ مبارکہ کے انیسویں رکوع میں بھی ان اساسی تعلیمات کا خلاصہ بیان کر دیا گیا ہے جو تمام آسمانی شریعتوں کا جزوِ لاینفک رہی ہیں یعنی (۱) اللہ کے ساتھ کسی کو کسی بھی اعتبار سے شریک نہ کرو! (۲) والدین کے ساتھ نیک سلوک کرو! (۳) اپنی اولاد کو مفلسی کے خوف سے قتل نہ کرو، ہم ہی تمھیں بھی رزق دیتے ہیں اور ان کو بھی دیں گے! (۴) بے حیائی کی باتوں کے قریب بھی نہ پھٹکو، خواہ وہ کھلی ہوں یا چھپی! (۵) کسی کو ناحق قتل نہ کرو! (۶) یتیم کے مال کے قریب نہ جاؤ مگر احسن طریق پر، یہاں تک کہ وہ بالغ ہو جائے۔ (۷) ناپ تول پورا کرو۔ حتی الامکان کامل عدل کے ساتھ! (۸) جب بات کہو انصاف

کی کہو خواہ معاملہ کسی رشتہ داری کا کیوں نہ ہو! (۹) اللہ کے عہد کو پورا کرو۔ (۱۰) اور آخری اور اہم ترین یہ کہ یہی ہے میرا سیدھا رستہ، تو اسی کی پیروی کرو اور دوسری پگڈنڈیوں پر مت چلو کہ وہ تمہیں اس کے راستے سے ہٹا کر پراگندہ کر دیں۔ اور یہ ہیں وہ باتیں جن کی ہدایت تمہارے ربّ نے تمہیں فرمائی تاکہ تم اُس کے غضب سے بچ سکو!

**آنحضورؐ کا نعرۂ حق** سورت کے اختتام پر اک نعرۂ حق آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے ادا کرایا گیا۔ جس میں ایک بار پھر اعادہ ہوا حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے ذکر کا ہے، جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے، اس سورۂ مبارکہ کے عمود اور مرکز و محور کی حیثیت حاصل ہے

"اے نبی! اعلان کر دو، میرے ربّ نے میری رہنمائی فرمادی ہے سیدھے راستے کی جانب یعنی اس دینِ قیّم کی طرف اور ابراہیمؑ کی ملّت کی جانب جو بالکل یکسو تھے اور ہرگز مشرکین میں سے نہ تھے! کہہ دو! میری نماز، میری قربانی، میری زندگی اور میری موت سب اللہ ربّ العالمین کے لیے ہیں۔ جس کا کوئی شریک نہیں، اسی کا مجھے حکم ہوا ہے اور سب سے پہلے سرِ تسلیم خم کرنے والا میں خود ہوں!"

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ۝

تقریر نمبر ۸

# سُورۂ اعراف

سورۂ اعراف جو قرآن مجید میں آٹھویں پارے کے نصف سے لے کر نویں پارے کے تین چوتھائی تک پھیلی ہوئی ہے اور ۲۰۶ آیات اور ۲۴ رکوعوں پر مشتمل ہے، قرآنِ حکیم کی طویل ترین مکّی صورت ہے۔ سورۂ انعام کی طرح اس میں بھی خطاب کا اصل رُخ قریشِ مکّہ کی جانب ہے اور اگرچہ بنی اسرائیل کی تاریخ کا وہ باب جو توراۃ کے کتاب الخروج سے مشابہت رکھتا ہے، اس سورۃ میں خاصی تفصیل سے بیان ہوا ہے تاہم سُورۂ انعام کی طرح اس سورت میں بھی ان سے براہِ راست خطاب نہیں کیا گیا بلکہ یہ تذکرہ تمہید بن گیا اس مفصّل خطاب کے لیے جو یہود سے ہجرت کے بعد سورۂ بقرہ میں وارد ہوا۔

قرآنِ حکیم میں سورۂ ابراہیم کی آیت ۵ میں آنحضورؐ کو خطاب کر کے فرمایا گیا ہے کہ:-

وَذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰمِ اللّٰهِ ؕ (یعنی اے نبی! آپ انہیں یاد دہانی کرائیے اللہ کے دنوں کے حوالے سے)
اس آیت میں اللہ کے دنوں سے مراد وہ ایّام ہیں جن میں اہم تاریخی واقعات رُونما ہوئے۔
یعنی وہ ایّام بھی جن میں رسولوں کی دعوت سے اعراض کی پاداش میں قوموں کی ہلاکت اور تباہی
کے فیصلے صادر و نافذ ہوئے اور اس کے علاوہ وہ اہم واقعات بھی جو اس سلسلۂ تخلیق کی بساط
بچھانے کے ضمن میں رُونما ہوئے یا اس بساط کے تہہ کیے جانے کے وقت رُونما ہوں گے۔
سورۂ اعراف اس "تذکیر بِاَیَّامِ اللّٰہ" کی حسین ترین مثال ہے۔

چنانچہ جس طرح سورۂ انعام کے عین وسط میں حضرت ابراہیمؑ اور اُن کی ذُرّیّت کے
جلیل القدر انبیاء کا ذکر تھا، اسی طرح اس سُورۂ مبارکہ کے وسط میں آیت ۵۹ سے لیکر آیت
۱۳۷ تک ان چھ اولوالعزم رسولوں کا ذکر ہے جن کی قوموں پر اُن کو جھٹلانے اور اُن کی دعوت
کو ردّ کر دینے کی پاداش میں عذاب نازل ہوا اور انہیں نیست و نابود کر دیا گیا۔ یعنی حضرت
نوح علیہ السّلام، حضرت ہود علیہ السّلام، حضرت صالح علیہ السّلام، حضرت لوط علیہ السّلام، حضرت شعیب
علیہ السّلام، حضرت موسیٰ علیہ السّلام۔ واضح رہے کہ ان چھ رسولوں کے حالات اور ان کی قوموں کے انجام کا
ذکر قرآن مجید کی متعدد سُورتوں میں وارد ہوا ہے جیسے سُورۂ یُونس اور سُورۂ ہُود میں، اور سُورۂ
مومنون، سُورۂ عنکبوت اور سُورۂ شُعراء وغیرہ میں۔ اس کا سبب یہ ہے کہ یہ عرب اور اس کے
اطراف و جوانب کی تاریخ کے واقعات ہیں جن کا ذکر عرب کی روایات میں بکثرت موجود تھا۔
چنانچہ اہلِ عرب بالخصوص قریشِ مکّہ کو بار بار اُن کی تاریخ سے عبرت حاصل کرنے کی دعوت
دی گئی۔ ان میں سے قومِ نوح عرب کے شمال مشرق میں آباد تھی۔ قومِ ہُود یعنی عاد کا مسکن عرب کا
جنوب مشرقی گوشہ تھا اور بقیہ چاروں اقوام یعنی ثمود، قومِ شعیب، قومِ لوط اور آلِ فرعون کے
مسکن عرب کے شمال مغربی گوشے میں تھے۔ اور اُن میں سے تین تو وہ ہیں جن کی تباہ شدہ بستیاں
اس تجارتی شاہراہ پر واقع تھیں جو حجاز سے شام تک جاتی تھی یعنی جنوب سے شمال کی جانب
پہلے مساکنِ ثمود، پھر مساکنِ قومِ شعیبؑ اور پھر قومِ لوط کی بستیاں جن کے کھنڈروں پر سے
اہلِ عرب اپنے تجارتی سفروں کے دوران گزرا کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید کی مکّی سورتوں
میں ان رسولوں اور اُن کی قوموں کا ذکر بتکرار و اعادہ آیا ہے۔ تاکہ قریش اُن کے حالات و واقعات
سے سبق حاصل کریں اور اس غرّے میں نہ رہیں کہ ہمیں سرزمینِ عرب میں قوّت و شوکت اور دبدبہ
اقتدار حاصل ہے۔ اس لیے کہ ان اقوام کو بھی اپنے اپنے زمانے میں اُن سے کہیں زیادہ غلبہ و

اقتدار حاصل تھا۔ لیکن جب وہ اللہ کے قانون کی گرفت میں آئیں تو اُن کو ہلاکت و بربادی سے نہ اُن کی حشمت و سطوت بچا سکی، نہ قوّت و شوکت!

اِن رسولوں کی دعوت کے ضمن میں الفاظ کے بار بار اعادے سے یہ حقیقت واضح کی گئی کہ ان سب کی بنیادی دعوت ایک ہی تھی یعنی یہ کہ: "یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ" (اے میری قوم کے لوگو! اللہ ہی کی بندگی اور پرستش کرو، تمہارا اُس کے سوا نہ کوئی مالک ہے نہ معبود!) گویا انسان کی ہدایت کا اصل الاصول توحید ہے اور تمام گمراہیوں، اور ضلالتوں کی جڑ اور بنیاد شرک ہے۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ حضرات نوحؑ، ہودؑ اور صالح علیہم السلام کے عہد تک ابھی انسانی تمدّن بالکل ابتدائی مراحل میں تھا۔ چنانچہ ضلالت و گمراہی کی بھی صرف یہ جڑ ہی قائم ہوئی تھی۔ اس شجرۂ خبیثہ کے دوسرے ثمرات ابھی ظاہر نہیں ہوئے تھے۔ لیکن پھر جیسے جیسے تمدّن نے ارتقائی مراحل طے کئے اس اُمّ الخبائث کے ثمرات و مضمرات کا ظہور بھی شروع ہوگیا۔ چنانچہ قومِ لوط کے حالات میں جنسی آوارگی اور بے راہروی (SEXUAL PERVERSION) کا ذکر ملتا ہے اور قومِ شعیب کے حالات میں مالی بدعنوانیوں اور ناپ تول میں کمی بیشی اور چوری و راہزنی کا ذکر ملتا ہے اور آلِ فرعون کے حالات میں ایک قوم کے دوسری قوم پر ظلم اور جبر و تشدّد کا ذکر ملتا ہے۔ غور کیا جائے تو آج بھی انسانی تمدّن میں فساد کی یہی تین صورتیں ہیں یعنی معاشرتی اقدار کی پامالی اور عفّت و عصمت اور گھریلو امن و سکون کی بربادی، یا معاشی بدعنوانیاں یا سیاسی جبر و استحصال ـــــ اور درحقیقت یہ تینوں اصل نہیں فرع ہیں یعنی جڑ نہیں شاخیں ہیں۔ اِس شجرۂ خبیثہ کی جس کی اصل و جڑ کی حیثیت شرک کو حاصل ہے۔

اس میں گویا کہ تصویر کھینچ دی گئی ہے کہ اے معشرِ قریش! تاریخ اپنے آپ کو دُہرا رہی ہے۔ آج ہمارا رسول صلّی اللہ علیہ وسلّم اسی توحید کی دعوت تمہیں دے رہا ہے۔ تمہارے اخلاقی امراض کا علاج اور جملہ معاشرتی، معاشی اور سیاسی مسائل کا تمام تر حل اس دعوت کے قبول کرنے میں مضمر ہے۔ اس کی یہ دعوت تمام تر نصح و خیر خواہی پر مبنی ہے۔ بالکل اسی طرح جس طرح ہمارے بندے نوحؑ نے کہا تھا کہ: "اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَ اَنْصَحُ لَكُمْ" اور ہمارے بندے ہودؑ نے کہا تھا کہ: "اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَ اَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ اَمِيْنٌ" لیکن تم ہو کہ تکذیب و اعراض کی اُسی ڈگر پر چلنے پر مصر ہو، جس پر چلنے کے باعث ان اقوام کا انجام

ہوا کہ: "كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا" (وہ ایسے ہوگئے جیسے کبھی ان بستیوں میں آباد ہی نہ تھے)۔ اور "فَقَطِعَ دَابِرُ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا" (ہم نے کاٹ کر رکھ دی جڑ ان لوگوں کی جنھوں نے ہماری آیات کا انکار کیا تھا) جس پر حد درجہ حسرت و تأسف کے ساتھ کہا تھا ہمارے بندے شعیبؑ نے کہ: "يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ فَكَيْفَ اٰسٰى عَلٰى قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ" (اے میری قوم کے لوگو! میں نے پہنچا دیا تم تک پیغام اپنے رب کا اور حق ادا کر دیا تمھاری خیر خواہی کا۔ پھر اب کافروں کے انجام پر غم کروں تو کیسے!)

—— تو اے معشرِ قریش! اب تم بھی اس انجام سے دوچار ہونے کے لیے تیار ہو جاؤ! سورۂ اعراف میں ایک عجیب صورت یہ سامنے آتی ہے کہ ۳۵ آیات میں حضرت نوحؑ سے حضرت شعیبؑ تک پانچ رسولوں اور اُن کی قوموں کا ذکر ہوا۔ پھر ۹ آیات میں عذابِ استیصال کے ضمن میں بعض اُصولی باتیں بیان ہوئیں اور اس کے بعد ۳۵ ہی آیات میں حضرت موسیٰؑ اور فرعون کا ذکر ہوا۔ اس کا سبب یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات میں بھی قریب ترین مماثلت حضرت موسیٰؑ کے حالات میں پائی جاتی ہے۔ اور امتِ مسلمہ کے حالات میں بھی قریب ترین مشابہت بنی اسرائیل کے حالات سے پائی جاتی ہے۔ چنانچہ حضرت موسیٰؑ اور فرعون کے ذکر کے بعد بیان شروع ہوا بنی اسرائیل کے حالات کا، اور یہ سلسلہ بعد کی ۳۴ آیات تک چلا گیا۔ اور یہ بیان جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے تمہید بن گیا یہود کے ساتھ اس مفصّل خطاب کا جو ہجرت کے بعد سورۃ البقرۃ میں ہوا۔ بنی اسرائیل کے حالات و واقعات کے اس تذکرے میں بڑے اہتمام کے ساتھ بیان ہوا ہے وہ واقعہ کہ جب بچھڑے کی پرستش کے واقعہ کے بعد اُن کے ستّر سرکردہ لوگوں کو ساتھ لے کر حضرت موسیٰؑ کوہِ طور پر اجتماعی توبہ و استغفار کے لئے حاضر ہوئے اور وہاں انہیں اللہ کے حکم سے ایک زلزلے نے آ پکڑا تو حضرت موسیٰؑ اللہ کی جناب میں عرض گذار ہوئے کہ: "اے ربّ! اگر تو چاہتا تو ہلاک کر دیتا پہلے ہی ان سب کو بھی اور مجھ کو بھی۔ تو کیا تو ہمیں ایسے جرم کی پاداش میں ہلاک کر دے گا، جس کا ارتکاب ہمارے ناسمجھ لوگوں نے کیا۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ بھی بس تیری طرف سے ایک آزمائش ہے تو اس کے ذریعے جس کو چاہے گمراہ کر دے اور جسے چاہے ہدایت دے دے۔ تو ہی ہمارا کارساز ہے، پس ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم فرما۔ اور تو بہترین بخشنے والا ہے اور اے ہمارے ربّ! لکھ دے ہمارے لیے بھلائی اس دُنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ ہم تیری جناب

میں رجوع کرتے ہیں!"

اس پر جواب ملا:-

"میں اگرچہ عذاب بھی دیتا ہوں جسے چاہتا ہوں۔ لیکن میری رحمت ہر چیز کو گھیرے میں لیے ہوئے ہے (رہی میری رحمتِ خصوصی) تو اُسے میں مخصوص کر دوں گا، اُن لوگوں کے لیے جو تقویٰ اختیار کریں گے اور زکوٰۃ ادا کرتے رہیں گے۔ اور ہماری آیات پر ایمان لائیں گے، اور جو پیروی کریں گے اُس اُمّی نبی اور رسول کی جس کا ذکر وہ اپنے ہاں تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔ وہ انہیں نیکی کا حکم دے گا، برائی سے روکے گا اور اُن کے لیے پاکیزہ چیزیں حلال ٹھہرائے گا اور خبیث چیزوں کو حرام قرار دے گا اور اُن پر سے وہ بوجھ اور طوق اُتارے گا۔ جو اُن پر پڑے ہوں گے تو جو اُس پر ایمان لائیں، اس کی عزت کریں، اُس کی مدد کریں اور اس روشنی کی پیروی کریں جو اُس پر اتاری گئی تو وہی فلاح پانے والے ہوں گے!"

اور اس کے بعد آنحضورؐ سے کہلوایا گیا:

"کہہ دو اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہو کر آیا ہوں۔ اُس اللہ کا جس کی بادشاہت آسمانوں اور زمینوں کو محیط ہے۔ وہی جلاتا ہے اور وہی مارتا ہے۔ پس ایمان لاؤ اللہ پر اور اُس کے اُمّی نبی اور رسول پر۔ جو ایمان رکھتا ہے اللہ پر بھی اور اُس کے کلمات پر بھی — اور پیروی کرو اُس کی تاکہ تم راہ یاب ہو سکو!"

یہ گویا تمہید ہے اُس دعوتِ ایمان کی جو یہود کو ہجرت کے بعد سورۂ بقرہ کے پانچویں رکوع میں براہِ راست خطاب کر کے دی گئی۔

سورۂ اعراف کے ابتدائی سات رکوعوں میں سے پہلے کی حیثیت تو ایک جامع انڈکس کی ہے جس میں گویا اس سورت کے جملہ مباحث کے عنوانات جمع کر دیئے گئے ہیں۔ چنانچہ اس میں وہ الفاظ بھی آئے ہیں جو گویا جامع عنوان ہیں رسولوں کے حالات اور ان کی قوموں کے انجام کے ذکر کے لیے جو اس سورت کے اکثر حصّے پر پھیلا ہوا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:-

"کتنی ہی بستیاں ہوئی ہیں جنھیں ہم نے ہلاک کر دیا تو آدھمکا اُن پر ہمارا عذاب اچانک رات کے وقت یا عین دن کے وقت جبکہ وہ قیلولہ کر رہے تھے۔ اور جب اُن پر عذاب آیا تو انہوں نے بس یہی کہا کہ بلاشبہ ہم ہی ظالم تھے۔ تو جان لو! کہ ہم ان

لوگوں سے بھی پرسش کریں گے جن کی طرف رسول بھیجے گئے اور خود رسولوں سے بھی سوال کریں گے!"

اِس کے علاوہ مکّی سورتوں کے عام اسلوب کے مطابق توحید، معاد اور رسالت پر ایمان لانے کی وہ دعوت بھی اختصار کے ساتھ آگئی ہے جو اس سے قبل سورۂ انعام میں تفصیلاً آئی تھی اور اُن پر مستزاد ہے اس سورت کے عام اسلوب کے مطابق ذکر اس سلسلۂ تخلیق کے آغاز اور انجام سے متعلق بعض حالات و واقعات کا۔ چنانچہ پہلے قصّۂ آدم و ابلیس بیان ہوا ہے قدرے تفصیل کے ساتھ اور پھر احوالِ آخرت کی تصویر کشی کی گئی ہے کہ کس حال میں ہوں گے اہلِ جنّت اور اہلِ جہنّم، اور کیا گفتگو ہوگی اُن کے مابین ـــــ اس ضمن میں اصحابِ اعراف کا ذکر بھی قدرے تفصیل سے آیا ہے!

اسی طرح اس سورت کے اختتام پر بھی اوّلاً تو دو واقعات کا بیان ہوا۔ ایک نوعِ انسانی کی تخلیق کے اوّلین مرحلے کا جب ارواحِ انسانی کو وجود بخشا گیا اور اُن سے وہ عہدِ الست لیا گیا جو محاسبۂ اُخروی کے وقت بطورِ دلیل و حجّت پیش ہوگا اور دوسرے بنی اسرائیل کے ایک حد درجہ پارسا اور عالم و فاضل شخص کے شیطان کے ایک ہی چکمے میں آکر گناہ کی انتہائی پستیوں میں جا گرنے کا۔ جس سے گویا ایک بار پھر وہی حقیقت سامنے لے آئی گئی جو ابتدا میں آدم و ابلیس کے واقعے میں بیان ہوئی تھی کہ شیطان آدم اور ذُرّیّتِ آدم کا ازلی و ابدی دشمن ہے۔ اس کی چالوں سے پوری طرح ہوشیار و چوکس رہنے کی ضرورت ہے۔ اور اس کے مقابلے میں مومن کا اصل دفاع ذکرِ الٰہی اور اللہ کی پناہ طلب کرتے رہنے میں ہے نہ کہ کسی ادّعائے علم و فضل یا غرورِ پرّ و تقویٰ میں۔ چنانچہ بالکل اختتام پر فرمایا گیا :-

"اور اگر تمہیں کوئی وسوسۂ شیطانی لاحق ہونے لگے تو فوراً اللہ کی پناہ طلب کرو۔ بے شک وہ سب کچھ سننے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے۔ خدا سے ڈرنے والے لوگوں کو اگر کبھی شیطان کی چھوت لگنے کا اندیشہ ہوتا ہے تو وہ فوراً خدا کا دھیان کرتے ہیں۔ چنانچہ اُن کو فوری بصیرت حاصل ہو جاتی ہے!"

سورت کے اوّل و آخر میں قرآنِ حکیم کا ذکر ہے۔ آغاز میں فرمایا گیا :

"یہ کتاب ہے جو تمہاری طرف اتاری گئی۔ اے نبی! نہ اس لیے کہ تمہیں پریشانی لاحق ہو بلکہ اس لیے کہ تم اس کے ذریعے لوگوں کو خبردار کر دو اور اہلِ ایمان کے لیے

یاد دہانی - لوگو! جو چیز تمہارے پاس تمہارے ربّ کی جانب سے آئی ہے اس کی پیروی کرو اور اسے چھوڑ کر دوسرے سرپرستوں کی پیروی نہ کرو۔ واقعہ یہ ہے کہ تم کم ہی یاد دہانی حاصل کرنے والے ہو۔

اور اختتام پر فرمایا :-

"کہہ دو اے نبی! مَیں تو خود پیروی کرتا ہوں اس چیز کی جو میرے رب کی طرف سے مجھ پر وحی کی جاتی ہے۔ یہ تمہارے ربّ کی طرف سے بصیرت عطا کرنے والی آیات ہیں اور ہدایت و رحمت ہیں اُن کے حق میں جو ایمان لائیں۔ اور اے مسلمانو! جب قرآن سنایا جا رہا ہو تو اُسے خاموشی کے ساتھ کان لگا کر توجہ سے سُنا کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے!"

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ۝

## تقریر نمبر ۹

سورۂ انعام اور سورۂ اعراف، دو مکّی سورتوں کے بعد قرآن مجید میں سورۂ انفال اور سورۂ توبہ پر مشتمل دو مدنی سورتوں کا موزوں اور متناسب جوڑا آتا ہے جن میں موضوع اور مضامین کے اعتبار سے اتنا گہرا ربط اور انداز اور اسلوب کے اعتبار سے اتنی موزونیّت موجود ہے کہ محسوس ہوتا ہے کہ جیسے یہ دونوں ایک ہی سورت ہوں۔ چنانچہ بعض حضرات نے سورۂ توبہ کے آغاز میں بسم اللہ نہ لکھے جانے کی فی الواقع یہی توجیہ بیان بھی کی ہے لیکن بوجوہ یہ خیال درست نہیں ہے، صحیح یہی ہے کہ دونوں علیٰحدہ علیٰحدہ سورتیں ہیں اور سورۂ توبہ کے آغاز میں بسم اللہ نہ لکھے جانے کا سبب اصلاً تو یہ ہے کہ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ایسا حکم دیا۔ البتہ اِس کی توجیہ کے ضمن میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ قول وزنی معلوم ہوتا ہے کہ بسم اللہ آیتِ امان ہے۔ چونکہ اِس میں اللہ کے اسمائے حسنیٰ رحمٰن اور رحیم آئے ہیں۔ جب کہ یہ سُورت گویا ہاتھ میں تلوار لیے نازل ہوئی ہے اِس لیے کہ اِس کا آغاز آیاتِ برأت یعنی اظہارِ بیزاری اور اعلانِ جنگ سے ہوتا ہے، لہٰذا موزوں یہی تھا کہ اِس کے آغاز میں آیت بسم اللہ نہ تحریر کی جائے!

ترتیبِ نزُولی کے اعتبار سے سورۂ انفال کا نمبر سورۂ بقرہ کے بعد ہے، اس لیے کہ یہ سورت غزوۂ بدر کے فوراً البعد نازل ہوئی اور محسوس ہوتا ہے کہ بیک وقت ایک

مربوط اور مسلسل خطبہ کی صورت میں نازل ہوئی۔ لیکن ترتیبِ مصحف میں اِس کو سورۂ انعام و اعراف کے بعد اور سورۂ توبہ سے قبل رکھا گیا اور اس میں نظمِ کلام کے اعتبار سے غایت درجہ حکمت مضمر ہے اس لیے کہ سورۂ انعام گویا بنی اسمٰعیل کو بالعموم اور قریشِ مکّہ کو بالخصوص دعوت کی سورت ہے۔ اور سورۂ اعراف کی حیثیّت ان کے لیے آخری تنبیہ اور تہدید یعنی WARNING کی ہے۔ اس کے بعد فطری طور پر مشرکینِ عرب بالخصوص قریش پر عذاب کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ قریشِ مکّہ کو عذاب سے امان اس وقت تک حاصل رہی جب تک آنحضورؐ مکّہ میں مقیم رہے۔ جب آپ ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لے گئے تو گویا امان اُٹھ گئی اور عذاب کا سلسلہ شروع ہو گیا جس کی پہلی قسط کی حیثیّت حاصل ہے غزوۂ بدر میں قریشِ مکّہ کے ستّر سورماؤں کے قتل کو جن میں اُن کے بعض چوٹی کے سردار بھی شامل تھے۔ حتیٰ کہ اُن میں عتبہ بن ربیعہ بھی تھا جس کو اشرافِ قریش میں ایک نمایاں مقام حاصل تھا اور ابوجہل بھی تھا جس کے بارے میں خود آنحضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے یہ الفاظ ارشاد فرمائے کہ: "ھٰذا فِرْعَوْنُ ھٰذِہِ الْاُمَّۃ" اِسے اس دَور کے فرعون کی حیثیّت حاصل ہے!

مشرکینِ عرب پر عذابِ خداوندی کے جس سلسلے کا آغاز غزوۂ بدر سے ہوا تھا وہ تکمیل و اتمام کو پہنچا ۹ھ میں، جب کہ حج کے موقع پر آنحضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اعلانِ عام کرا دیا کہ چند ماہ کی مہلت دی جاتی ہے۔ اس کے بعد مشرکین کے خلاف اقدامِ عام شروع ہو جائے گا اب جسے جزیرہ نمائے عرب میں رہنا ہو وہ اطاعت قبول کر لے اور اسلام لے آئے۔ بصورتِ دیگر اس سرزمین کو خیرباد کہہ کر جہاں سینگ سمائے چلا جائے۔ بہرصورت جزیرہ نمائے عرب کو چند ماہ کے بعد کفر اور شرک سے بالکل پاک کر دیا جائے گا۔

ان تصریحات کے پیشِ نظر دو مکّی اور دو مدنی سورتوں کے اس گروپ نے انتہائی مربوط اور منظّم کلام کی صورت اختیار کر لی ہے! فافھموا و تدبّروا!

# سُورۂ انفال

سورۂ انفال جو دس رکوعوں اور ۷۵ آیات پر مشتمل ہے اکثر و بیشتر غزوہ بدر کے حالات و واقعات اور ان پر حکیمانہ تبصرے اور مسلمانوں کو دعوتِ اسلامی کے اس نئے دور کے

تقاضوں کی تیاری کی ہدایات پر مشتمل ہے جو غزوۂ بدر سے شروع ہو چکا تھا اور جسے جدید اصطلاح میں ACTIVE RESISTANCE یا ARMED CONFLICT سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ اس کا آغاز تو قرآن کے معروف اسلوب کے مطابق اس مسئلے کے ذکر سے ہوا جو اس وقت بحث و نزاع اور چہ میگوئی کا اہم موضوع بن گیا تھا یعنی مالِ غنیمت کا مسئلہ جس پر پہلے سے کسی قانون یا ضابطے کے موجود نہ ہونے کے باعث مسلمانوں میں اختلاف کا پیدا ہو جانا بالکل فطری تھا۔ اس پر مستزاد یہ کہ اُسے معاندین نے مخالفانہ پروپیگنڈے کا ذریعہ بھی بنا لیا تھا، کہ یہ کیسے رسول ہیں جو اپنی ہی قوم کے خلاف تلوار اٹھاتے ہیں اور اپنے ہی بھائی بندوں کو قتل کرتے ہیں، اور اُن کا مال ہڑپ کرتے ہیں اور ان کے اسیروں سے رہائی کے عوض زرِ فدیہ وصول کرتے ہیں چنانچہ پہلی آیت کا ترجمہ یہ ہے:-

"اے نبی! لوگ آپ سے اموالِ غنیمت کے بارے میں دریافت کر رہے ہیں تو ان بتا دیجئے کہ یہ اللہ اور اس کے رسول کا حق ہیں، پس اللہ سے ڈرو اور اپنے باہمی تعلقات کو درست رکھو اور اللہ اور اُس کے رسول کی اطاعت پر کاربند رہو اگر تم واقعی مومن ہو!"

اور اس کے بعد نہایت شاندار الفاظ میں اہلِ ایمان کے اوصاف کا ذکر ہوا اور بتا دیا گیا کہ حقیقی مومن کون ہے ـــــ عجیب بات یہ ہے کہ سورۂ انفال کا آغاز بھی اسی موضوع سے ہوا اور اس کے اختتام پر بھی یہی موضوع زیرِ بحث آیا اور ان دونوں مقامات نے مل کر ایمانِ حقیقی کی حد درجہ جامع و مانع تعریف کی صورت اختیار کر لی۔ چنانچہ آیات ۲ تا ۴ میں فرمایا:

"حقیقی مومن تو صرف وہی ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جائے تو اُن کے دل لرز جائیں اور جب اس کی آیتیں انہیں سنائی جائیں تو اُن کے ایمان و یقین میں اضافہ ہو اور اُن کا تمام تر بھروسہ اپنے رب ہی پر ہو، اور جو نماز قائم کریں اور ہمارے دیے ہوئے میں سے خرچ کریں ـــــ یہی ہیں سچے مومن۔ اُن کے لیے اُن کے رب کے پاس مراتب عالیہ بھی ہیں اور مغفرت اور رزقِ کریم بھی!"

اور آیت ۷۴ میں فرمایا:-

"اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا۔ اور وہ جنھوں نے پناہ دی اور مدد کی تو یہی ہیں حقیقی مومن، اُن کے لیے اللہ کی مغفرت کا

وعدہ بھی ہے اور باعزّت رزق کا بھی!"

یہ گویا وہی بات قدرے شرح و بسط کے ساتھ ہے جو اجمالاً بیان ہوئی ہے سُورۂ حجرات کی آیت ۱۵ میں کہ :-

"مومن تو بس وہ ہیں جو ایمان لائیں اللہ اور اُس کے رسول پر، پھر شک میں نہ پڑیں اور جہاد کریں اللہ کی راہ میں اور کھپائیں اس میں اپنے مال بھی اور اپنی جانیں بھی۔ حقیقتاً یہی لوگ دعویٔ ایمان میں سچّے ہیں!"

اِس ابتداء اور انتہاء کے مابین جو مضامین سُورۂ انفال میں بیان ہوئے ہیں اُن کا اجمالی جائزہ یہ ہے :-

۱- غزوۂ بدر کے حالات و واقعات کے ضمن میں ایک جانب تو آیات ۵ تا ۸ میں بعض مسلمانوں کی اس کمزوری کی نشاندہی کی گئی کہ جب آنحضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اہلِ ایمان کے حوصلے اور MORALE کا اندازہ کرنے کے لیے یہ دریافت کیا کہ شمال سے تجارتی قافلہ آرہا ہے اور جنوب سے قریش کا لشکر، تو ہمیں کس جانب کا قصد کرنا چاہیئے تو انہوں نے قافلے پر حملہ آور ہونے پر اصرار کیا۔ حالانکہ اللہ تو اس معرکے کے ذریعے حق کا بول بالا کرنے اور کافروں کی جڑ کاٹ دینے کا فیصلہ کر چکا تھا ـــــ اور دوسری طرف آیات ۹ تا ۱۴ میں ان خصوصی احسانات کا ذکر فرمایا گیا جو اس معرکے کے دوران اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر کیے۔ جن میں اہلِ ایمان کی مدد کے لیے ملائکہ کی غیر مرئی فوج کا بھیجنا بھی شامل ہے اور معرکے سے ایک رات قبل بارانِ رحمت کا نزول بھی جس سے اہلِ ایمان نے طہارت و پاکی بھی حاصل کی اور جس سے میدانِ جنگ کے ان کے جانب کے حصّے میں ریت بھی دب گئی۔ جس سے قدم جما کر لڑنے کا امکان پیدا ہوا۔ مزید برآں جنگ سے پہلے والی رات اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کے قلوب میں ایسا امن و اطمینان پیدا کر دیا کہ وہ آرام سے سوئے اور اگلی صبح پوری طرح چاق و چوبند ہو کر میدانِ جنگ میں صف بستہ ہو گئے ـــــ اور آیات ۱۷، ۱۸ میں اس نصرت و تائیدِ غیبی کا نتیجہ بیان کر دیا کہ اے مسلمانو! یہ جنگ اصل میں تم نے نہیں لڑی ہم نے لڑی ہے، سردارانِ قریش کو تم نے قتل نہیں کیا ہم نے کیا ہے ـــــ اور نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم نے جو کنکریوں کی مٹھی بھر کر کفّار کے جانب پھینکی تھی، وہ انہوں نے نہیں، ہم نے پھینکی تھی گویا بقول علّامہ اقبال ؎ ہاتھ ہے اللہ کا بندۂ مومن کا ہاتھ!

۲- ساتھ ہی پہلے آیات ۱۸، ۱۹ میں قریش کو مُتنبّہ کر دیا کہ اگر تم حق و باطل کے

فیصلے کے طالب تھے اور یہ معلوم کرنا چاہتے تھے کہ اللہ کی تائید و نصرت کس کے ساتھ ہے، تمہارے ساتھ یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور اُن کے اصحاب کے ساتھ، تو وہ فیصلہ تمہارے سامنے آچکا ہے۔ لہٰذا اب بھی باز آجاؤ اس میں بہتری اور خیریت ہے۔ بصورتِ دیگر جان لو کہ تمہاری جنگ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور اُن کے ساتھی مہاجرین و انصار سے نہیں اللہ سے ہے۔ اور پھر آیات ۳۲ تا ۳۸ میں اُن کے کان پھر کھول دیے گئے کہ ہجرت سے قبل ہماری ڈھیل کے باعث تمہارے حوصلے بہت بڑھ گئے تھے۔ حتیٰ کہ تم کھلم کھلا عذاب تک کا مطالبہ کر گزرتے تھے حالانکہ اس وقت تک ہمارے نبی تمہارے مابین موجود تھے۔ اب وہ امان اُٹھ چکی ہے لہٰذا عذاب کی پہلی قسط تمہیں مل گئی ہے۔ رہا تمہارا یہ خیال کہ تم بیت الحرام کے متولی اور مجاور ہو تو اس غرّے میں بھی مت رہنا۔ تم نے توحید کے اس مرکز کی حرمت کو بھی اسے شرک کا گڑھ بنا کر بٹہ لگا دیا ہے اور اُس کی تعمیر کے اصل مقصد یعنی نماز کے قیام کو بھی تم ضائع کر چکے ہو یہاں تک کہ تم نے خود نماز کا حُلیہ بگاڑ کر اُسے تالیوں اور سیٹیوں میں تبدیل کر کے رکھ دیا ہے۔ لہٰذا اب تم اللہ سے کسی رعایت کی اُمید نہ رکھو، اور جان لو کہ اب تم خواہ کتنی ہی دولت صرف کر لو اللہ کے دین کی راہ ہرگز نہ روک سکو گے۔

۳۔ مسلمانوں کو دعوتِ اسلامی کے اس نئے مرحلے کے تقاضوں کے ضمن میں جو ہدایات دی گئیں وہ حسبِ ذیل ہیں :-

اوّلاً ـــــ یہ جان لو کہ یہ جنگ جاری رہے گی جب تک کہ کفر و شرک کا کامل قلع قمع نہ ہو جائے اور دین کُل کا کُل صرف اللہ کے لیے نہ ہو جائے ! (آیت ۳۹) وقاتلوھم.....

ثانیاً ـــــ جنگ کے لیے ہمیشہ تیار رہو اور اپنے جملہ وسائل کو بروئے کار لا کر زیادہ سے زیادہ اسلحہ اور سامانِ جنگ فراہم کرو۔ اس ضمن میں جو خرچ تم کرو گے اُس کا پورا پورا اجر تمہیں اللہ سے مل جائے گا۔ وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ (آیت ۶۰)

ثالثاً ـــــ جن قبائل سے تمہارے معاہدے ہوں اُن کے معاہدوں کا لحاظ کرو اگر وہ خیانت کا ارتکاب کریں گے تو اللہ اُن کے شر سے تمہیں بچائے گا۔ بہرصورت اگر تمہیں اُن کے خلاف اقدام کرنا ہی پڑے تو پہلے اُن کے معاہدے علی الاعلان اُن کے منہ پر دے مارو۔ بہرحال یہ صورت تمہارے شایانِ شان ہرگز نہیں ہے کہ کسی سے معاہدہ بھی ہو اور اس کے خلاف درپردہ یا کھلم کھلا اقدام بھی کیا جا رہا ہو (یہ مضمون تفصیل کے ساتھ آیات ۵۶ تا ۵۸ اور ۶۱ تا ۶۳ میں آیا ہے)

۴ رابعًا ـــــ جب دشمن سے مڈھ بھیڑ ہو ہی جائے تو میدانِ جنگ سے ہرگز منہ نہ موڑو، اِلّا یہ کہ خود جنگ کی مصلحتیں کسی باقاعدہ پسپائی کی متقاضی ہوں۔ جو کوئی صرف جان بچانے کی غرض سے میدانِ جنگ سے فرار اختیار کرے گا اُس پر اللہ کا غضب نازل ہوگا اور اُس کا ٹھکانا جہنّم ہوگا (آیات ۱۵، ۱۶) ـــــ ساتھ ہی عین جنگ کے موقع پر بھی اللہ کی یاد سے غافل نہ ہو بلکہ ذکرِ کثیر کا اہتمام کرو (آیت ۴۵)

خامسًا ـــــ اس حقیقت کو اچھّی طرح ذہن نشین کر لو کہ تمہاری قوّت کا اصل راز اللہ اور اُس کے رسول کی بے چوُن وچرا اطاعت اور اُن کی پکار پر بلا پس و پیش حاضر ہو جانے میں مضمر ہے اور اسی میں حیاتِ حقیقی کا راز مضمر ہے خواہ بظاہر اس راہ میں موت کھڑی نظر آ رہی ہو۔ ساتھ ہی یہ تنبیہ بھی کر دی گئی کہ ان اُمور کی ہر کوتاہی اصلاً اللہ اور رسول کے ساتھ خیانت کے مترادف ہے اور اس طرزِ عمل کا نتیجہ یہ بھی نکل سکتا ہے کہ انسان اللہ کے قانونِ ہدایت و ضلالت کی زد میں آ جائے اور اس کے دل پر مہر لگا دی جائے کہ پھر راہِ ہدایت کی جانب پلٹنا ممکن ہی نہ رہے (آیات ۲۰، ۲۴، ۲۷)

۴۔ مالِ غنیمت کی تقسیم کے سلسلے میں جو اختلاف ہوا اُس کے ذیل میں نہایت حکیمانہ انداز یہ اختیار کیا گیا کہ پہلے تو آیت ۱ میں یہ حقیقت واضح کر دی کہ یہ کُل کا کُل اللہ اور اُس کے رسول کا حق ہے گویا دوسروں کو اس میں سے جو کچھ بھی مل جائے وہ اسے اللہ کا عطیہ سمجھیں نہ کہ اپنا حق ـــــ اس کے بعد آیت ۴۱ میں حتمی ضابطہ بیان کر دیا گیا کہ اموالِ غنیمت میں سے خمس یعنی پانچواں حصّہ اسلامی حکومت کے خزانے میں جائے گا اور بقیہ کو مجاہدین میں تقسیم کر دیا جائے گا۔ یہ بالکل وہی انداز ہے جو سورۂ بقرہ میں تحویلِ قبلہ کے ضمن میں اختیار کیا گیا ہے کہ پہلے فرمایا کہ:

"مشرق و مغرب سب اللہ کے ہیں جدھر بھی رُخ کر لو، اللہ ہی کا رُخ ہے!"

اور اس طرح ذہنوں کو تبدیلی کے قبول کرنے کے لیے تیار کرنے کے بعد تحویلِ قبلہ کا حکم نازل فرما دیا گیا۔

۵۔ ایک اور پیچیدہ مسئلہ جو جنگ کے بعد پیدا ہوا وہ قیدیوں کا تھا۔ اس کے ضمن میں روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک اختلافِ رائے پیدا ہوا۔ از رُوئے فرمانِ نبوی اللہ کے دین کے معاملے میں اُمّتِ محمدؐ کے سب سے زیادہ سخت گیر انسان یعنی حضرت عمرؓ کی رائے یہ تھی کہ ان سب کو قتل کر دیا جائے اور ہر مسلمان اپنے قریبی عزیز کو اپنے ہاتھوں قتل کرے،

جب کہ حضورؐ کے قول کے مطابق اُمّت پر سب سے بڑھ کر شفیق و رحیم انسان یعنی حضرت ابوبکر صدّیقؓ کی رائے یہ تھی کہ اُن کے ساتھ نرمی کا سلوک کیا جائے۔ ظاہر ہے کہ خود رحمۃ للعالمینؐ کی رائے بھی لامحالہ اسی جانب تھی۔ اس ضمن میں آیات ۶۷، ۶۸ کی رُو سے وحی الٰہی حضرت عمرؓ کی رائے کی موافقت میں نازل ہوئی۔ اگرچہ اسیرانِ جنگ سے زرِ فدیہ وصول کر کے رہا کر دینے کا جو فیصلہ آنحضور فرما چکے تھے اسے برقرار رکھا گیا اور مسلمانوں کے اطمینان کے لیے آیت ۶۹ میں واضح الفاظ میں فرما دیا کہ خواہ عام اموالِ غنیمت ہوں خواہ اسیرانِ جنگ سے وصول شدہ زرِ فدیہ اسے پُورے انشراحِ صدر کے ساتھ حلال و طیّب جانتے ہوئے کھاؤ اور معاندین کے مخالفانہ پروپیگنڈے سے کوئی تاثّر قبول نہ کرو کہ یہ نبی اور اس کے ساتھیوں کے شایانِ شان نہیں — اس لیے کہ نبی اور اہلِ ایمان کیلئے کیا مناسب ہے اور کیا مناسب نہیں، اس کا فیصلہ اصلاً اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

تقریر نمبر ۱۰

# سُورۂ توبہ

سورۂ توبہ کا دوسرا مشہور نام سورۂ برأت ہے یعنی وہ سورت جس میں مشرکین سے بیزاری اور لاتعلّقی کا اعلان کیا گیا ہے، اور یہ بعض دوسرے ناموں سے بھی موسوم کی جاتی ہے جیسے سورۂ مُخزیہ، سورۂ فاضحہ، سورہ مشرّدہ اور سورۂ عذاب جو سب اس کی اسی صفت کی جانب اشارہ کرتے ہیں کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مشرکینِ عرب کے لیے اس دنیا میں آخری ذلّت و رسوائی اور عذابِ استیصال کا اعلانِ عام کیا گیا ہے۔ یہ اہم سورت مصحف میں دسویں پارے کے رُبع سے لے کر گیارھویں پارے کے رُبع سے آگے تک پھیلی ہوئی ہے اور ۱۶ رکوعوں اور ۱۲۹ آیات پر مشتمل ہے۔

مضمون کے اعتبار سے اسے دو حصّوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے، ایک چھوٹا سا پہلے پانچ رکوعوں پر مشتمل ہے اور دوسرا بڑا جو بقیہ گیارہ رکوعوں پر مشتمل ہے۔ اور ان میں سے ہر حصّہ بھی زمانۂ نزول کے اعتبار سے دو حصّوں پر مشتمل ہے۔ پہلے حصّہ میں نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی دعوت کے سرزمینِ عرب کی حد تک تکمیلی مرحلے کا ذکر ہے جبکہ دوسرا حصّہ آپؐ کی دعوت کے بیرونِ ملک یا بین الاقوامی مرحلے کے آغاز سے متعلّق ہے۔

واضح رہے کہ نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اپنی دعوتی سرگرمی کو آغازِ وحی اور حکمِ

تبلیغ کے بعد ۱۳ برس یعنی ہجرت تک صرف مکّے اور اُس کے اطراف و جوانب تک محدود رکھا، اس کے بعد جب اللہ تعالیٰ نے آنحضورؐ کو مدینہ منوّرہ میں ایک چھوٹی سی شہری اسلامی ریاست عطا فرمادی اور اس طرح آپ کے لیے تمکّن فی الارض کا سامان فراہم کردیا تو آپ کی دعوت فطری طور پر دوسرے مرحلے میں داخل ہوگئی اور پورا جزیرہ نمائے عرب آپ کی دعوت و تبلیغ کا میدان بن گیا۔ ۶ھ میں صلح حدیبیہ واقع ہوئی اور اُس نے گویا ثابت کردیا کہ اندرونِ عرب آنحضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کو فیصلہ کن اور مُسلّمہ طور پر غالب حیثیّت حاصل ہوگئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اسے "فتحِ مبین" قرار دیا۔ چنانچہ اب آپ نے بلا تاخیر ملوک و سلاطین کے نام دعوتی خطوط ارسال فرما کر اپنی دعوت کے بین الاقوامی مرحلے کا آغاز کردیا۔ اور اس کے بعد سے آپ کی پیش قدمی بیک وقت دونوں محاذوں پر شروع ہوگئی، اندرونِ عرب بھی اور بیرونِ ملک بھی۔ اندرونِ عرب کے اعتبار سے ظاہر ہے کہ یہ دَور آنحضورؐ کے مشن کے اتمام و تکمیل کا دَور ہے جب کہ بین الاقوامی سطح پر اسے آغاز و ابتداء سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ اندرونِ ملک اتمام و تکمیل مقصدِ بعثتِ نبوی کے اس عمل میں اہم مراحل کی حیثیّت حاصل ہے۔ ایک جانب فتح مکّہ اور غزوۂ حنین کو اور دوسری جانب فتح خیبر کو اور بیرونِ ملک توسیعِ دعوت کے نتیجے میں وقوع ہوا پہلے غزوۂ موتہ اور پھر سفرِ تبوک! سُورہ توبہ اسی دَور میں مختلف مواقع پر نازل شدہ خطابات پر مشتمل ہے۔ چنانچہ اس کے پہلے پانچ رکوعوں میں زیرِ بحث آئے ہیں ایک جانب فسخ صُلح حدیبیہ، پھر مکّہ کی جانب پیش قدمی، پھر غزوۂ حنین اور بالآخر قریشِ مکّہ اور مشرکینِ عرب کے ضمن میں آخری اقدامات، اور دوسری جانب اہلِ کتاب یعنی یہود و نصاریٰ کے بارے میں آخری فیصلہ، اور بقیہ گیارہ رکوع بحث کرتے ہیں تبوک کی مہم اور اُس کے دوران پیش آمدہ حالات و واقعات سے جن کے ضمن میں بالخصوص منافقین کا کردار نہایت تفصیل سے زیرِ بحث آیا۔ جس کے نتیجے میں اس سورۂ مبارکہ کو منافقین کے ضمن میں قولِ فیصل کی حیثیّت بھی حاصل ہوگئی اور اس موضوع کے اعتبار سے قرآن مجید کے ذُروۃ السّنام کی بھی!

اِس سُورۂ مبارکہ کے پہلے حصّے میں ربط و ترتیب کے ضمن میں ایک اہم نکتہ یہ ہے کہ جس طرح سورۂ انفال میں اموالِ غنیمت کے اہم مسئلے کو سورت کے درمیان سے نکال کر آغاز میں گویا بطور عنوان درج کردیا گیا تھا۔ اسی طرح اس سورۂ مبارکہ میں بھی مشرکینِ عرب سے

اظہارِ بیزاری اور اعلانِ جنگ کو اس کی اہمیت کے پیشِ نظر درمیان سے نکال کر سورت کے عنوان کی حیثیت سے ابتدا میں درج کر دیا گیا ہے۔ ورنہ اصل ترتیب یہ ہے کہ اس سورت کے رکوع ۲، ۳ نزول کے اعتبار سے مقدم ہیں اور صلح حدیبیہ کے بعد اور فتح مکہ سے قبل کسی موقع پر نازل ہوئے۔ جبکہ رکوع ۱، ۴، ۵ باہم مربوط ہیں اور اُن کا زمانۂ نزول ۹ھ کا موسمِ حج ہے۔

دوسرے اور تیسرے رکوع کی آیات کے تاریخی پس منظر کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے اور وہ یہ کہ صلح حدیبیہ کا اثر عرب کے تمام قبائل پر یہ پڑا کہ اب جبکہ عرب کی سب سے بڑی قوت یعنی قریش نے گھٹنے ٹیک دیے ہیں تو عافیت اسی میں ہے کہ جلد از جلد سب ہی آنحضورؐ سے مصالحت کی کوئی صورت پیدا کر لیں۔ اُدھر آنحضورؐ کا دستِ مبارک حالات کی نبض پر تھا اور آپ ڈیڑھ دو سال قبل غزوۂ احزاب کے بعد ہی واضح فرما چکے تھے کہ اب مشرکین اور کفّار میں قوتِ مقاومت موجود نہیں ہے۔ ان حالات میں ظاہر ہے کہ اُن سے معاہدے کرنے کا مطلب یہ ہوتا کہ کفر اور شرک کو خواہ مخواہ مزید مہلت دی جائے اور اللہ کے دین کے غلبے کی تکمیل کو بلاوجہ مؤخّر کیا جائے۔ ادھر یہ بات بھی بادنیٰ تامل سمجھ میں آسکتی ہے کہ صلح جُو اور امن پسند لوگ ہر معاشرے اور جماعت میں موجود ہوتے ہیں اور بالخصوص مسلمانوں کی تو غالب اکثریت کا اسی مزاج کا حامل ہونا عین قرینِ قیاس ہے۔ ایسے حضرات کے لیے معاہدے کی کسی بھی پیش کش کو کسی بھی صورت میں ردّ کرنا ناقابلِ قیاس ہوتا ہے اور اصل میں یہی عقیدہ ہے جسے سورۂ توبہ کے دوسرے رکوع میں کھولا گیا ہے کہ اوّل تو شرک و توحید اور حق و باطل کے مابین بقائے باہمی یعنی PEACEFUL CO-EXISTENCE کا کوئی تصوّر ویسے ہی خارج از بحث ہے۔ ثانیاً تم ان مشرکین کے الفاظ کے بجائے اُن کے کردار کو دیکھو اور اُن کی چکنی چپڑی باتوں پر نہ جاؤ۔ بلکہ ان کے اب تک کے کرتوتوں کو یاد کرو! کیا یہ وہی نہیں ہیں جنھوں نے ایڑی چوٹی کا زور حق کی راہ روکنے میں صرف کیا اور اس معاملے میں نہ کسی قرابت کا کوئی لحاظ کیا نہ کسی قول و قرار یا عہد و ذمّہ کا۔ پھر کیا یہی نہیں ہیں جنھوں نے حضورؐ کو مکّہ سے نکالا اور پھر مدینہ میں بھی چین سے نہ بیٹھنے دیا۔ اب جبکہ حالات کا پانسہ پلٹ گیا ہے تو وہ معاہدوں کی چھاؤں میں پناہ لینا چاہتے ہیں۔ ان کے فریب میں مت آؤ اور اُن سے قتال کرو۔ اللہ تعالیٰ اُن کے کفر و اعراض کی سزا تمھارے

ہاتھوں دے گا اور ان مسلمانوں کے قلوب کو ٹھنڈک عطا فرمائے گا جو اُن کے مظالم کی چکیوں میں پستے رہے ہیں۔ اِس ضمن میں ایک اشکال اور بھی تھا اور وہ یہ کہ اہلِ عرب کے قلوب و اذہان میں حرم اور متولیانِ حرم یعنی قریش کی عظمت کا جو نقش صدیوں کے تعامل کے باعث قائم ہو چکا تھا، وہ بھی کسی فیصلہ کن اقدام کی راہ میں حائل تھا۔ چنانچہ تیسرے رکوع میں اس نفسیاتی الجھن کا حل کیا گیا ہے کہ اللہ کی مسجدوں کو آباد کرنا یا اُن کے متولی بننا مشرکین کا حق ہے ہی نہیں۔ یہ حق تو اصلاً صرف اہلِ ایمان و توحید کا ہے۔ گویا مشرکینِ مکہ کی حیثیت غاصبین کی ہے اور صرف حُجّاج بیت اللہ الکرام کی خدمت یا مسجدِ حرام کے متولی ہونے سے اُنہیں کوئی ایسا تقدس حاصل نہیں ہوتا جو اُن کے خلاف کسی اقدام میں مانع ہو سکے —— اس طرح یہ دونوں رکوع گویا تمہید ہیں اِس فیصلہ کُن اقدام کی جس کے نتیجے میں بفضلہٖ تعالیٰ رمضان ۸ھ میں مکہ فتح ہوا۔ اور پھر اگلے ہی ماہ معرکۂ حنین میں کفر اور شرک کی کمر توڑ کر رکھ دی گئی۔

اس ضمن میں مسلمانوں کی جماعت کے فتنہ کا لمسٹ عنصر یعنی منافقین کے نفاق کا پردہ بھی چاک کر دیا گیا۔ یہ لوگ جنگ و قتال سے موت کے خوف کے باعث تو گریزاں رہتے ہی تھے اب ایک نیا مرحلہ امتحان یہ پیش آیا کہ حق کی تلوار اہلِ کفر و شرک سے رشتہ داریوں، قرابتوں، محبتوں، دوستیوں اور در پردہ تعلقات کے بندھنوں کو کاٹنے کے لیے بے نیام ہوا چاہتی تھی۔ چنانچہ اوّلاً آیت ۱۶ میں واشگاف الفاظ میں فرما دیا گیا:

”کیا تم نے یہ سمجھا تھا کہ یونہی چھوڑ دیے جاؤ گے، حالانکہ ابھی تو اللہ نے دیکھا ہی نہیں کہ کون ہیں وہ لوگ جو جہاد کا حق ادا کرتے ہیں اور اللہ اور اُس کے رسول اور اہلِ ایمان کے سوا کسی سے کوئی دلی تعلق نہیں رکھتے!“

اور پھر آیت ۲۴ میں کوئی لگی لپٹی رکھے بغیر صاف اعلان کر دیا:

”کہہ دو، اے نبی! کہ اگر تمہیں اپنے والد، اپنے بیٹے، اپنے بھائی، اپنی بیویاں اور اپنے اعزہ و اقربا اور وہ مال جو تم نے جمع کیے ہیں اور وہ کاروبار جن کے مندے کا خوف تمہیں لاحق رہتا ہے اور وہ مکان جو تمہیں بہت پسند ہیں عزیز تر ہیں اللہ سے اور اُس کے رسول سے اور اُس کی راہ میں جہاد سے، تو جاؤ انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا فیصلہ سنا دے اور اللہ ایسے فاسقوں کو ہرگز راہ یاب نہیں کرتا!“

فتح مکّہ کے فوراً بعد ۸ھ کا حج آنحضورؐ نے سابق انتظام ہی کے تحت ہونے دیا۔ اگلے سال یعنی ۹ھ کے حج کے لیے آنحضورؐ حضرت ابوبکر صدّیقؓ کی امارت میں قافلۂ حج کو روانہ فرما چکے تھے کہ سورۂ توبہ کی وہ چھ آیات نازل ہوئیں جو اس سورۂ مبارکہ کے آغاز میں درج ہیں اور جن میں مشرکین سے اعلانِ برأت بھی کر دیا گیا اور حج کے موقع پر اس اعلان عام کا حکم بھی دے دیا گیا کہ حرمت والے مہینوں کے ختم ہوتے ہی مشرکینِ عرب کے خلاف آخری اقدام شروع کر دیا جائے گا بلفظہٖ الفاظِ قرآنی :

"پس جب حرمت والے مہینے گزر جائیں تو ان مشرکوں کو جہاں کہیں پاؤ قتل کرو، انہیں پکڑو، گھیرو اور ہر گھات کی جگہ اُن کی تاک لگاؤ۔ پھر اگر یہ توبہ کر لیں، نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں تو انہیں چھوڑ دو!"

چنانچہ آنحضورؐ نے حضرت علیؓ کو بھیجا کہ وہ آپ کے ذاتی نمائندے کی حیثیت سے حج کے اجتماع میں یہ اہم اعلان کر دیں۔ اور اس طرح گویا جزیرہ نمائے عرب کی حد تک اللہ کے دین کے غلبے کی تکمیل کے بعد مشرکین کے خلاف جنگی اصطلاح میں آخری MOPPING-UP OPERATION شروع ہو گیا۔ اور مشرکینِ عرب کے ضمن میں اس عذابِ الٰہی کی تکمیل ہو گئی جس کا آغاز غزوۂ بدر سے ہوا تھا۔

سورۂ توبہ کے چوتھے اور پانچویں رکوع کی آیات بھی اغلباً متذکرہ بالا آیات سے متّصل ہی نازل ہوئیں اور ان میں ایک تو وارد ہوئی وہ اہم آیت جو قرآن مجید میں سورۂ فتح اور سورہ صف دو اور مقامات پر وارد ہوئی ہے اور جس میں آنحضورؐ کے مقصدِ بعثت کو واشگاف الفاظ میں بیان کیا گیا ہے یعنی :

"وہی ہے جس نے بھیجا اپنے رسولؐ کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ تاکہ غالب کر دے اسے تمام ادیان یا پورے جنسِ دین پر، خواہ یہ مشرکوں کو کتنا ہی ناگوار ہو!"

اور دوسرے اہلِ کتاب یعنی یہود و نصاریٰ کے ساتھ بھی عام اعلانِ جنگ کر دیا گیا صرف اس رعایت کے ساتھ کہ اُن کے لیے اسلام اور تلوار کے علاوہ ایک تیسری صورت بھی ہے اور وہ یہ کہ وہ اسلامی ریاست کے ماتحت ہو کر زندگی بسر کرنے پر راضی ہوں اور مغلوب ہو کر جزیہ ادا کریں۔ گویا قانونِ ملکی یعنی LAW OF THE LAND اسلام ہی کا ہو گا، اس کے تحت PERSONAL LAW کی حد تک وہ اپنے طور طریقوں کے

مطابق زندگی بسر کرسکتے ہیں۔ واضح رہے کہ آئندہ کے لیے یہی ضابطہ مسلمانوں کا مستقل دستورالعمل قرار پایا اور خلافت راشدہ کے دوران جب اسلامی افواج جزیرہ نمائے عرب سے باہر نکلیں تو ان کی جانب سے ہمیشہ یہی تین صورتیں پیش کی جاتی رہیں کہ ایمان لے آؤ، ہمارے بھائی اور ہر اعتبار سے برابر ہو جاؤ گے، ورنہ اسلام کی بالادستی قبول کرلو اور جزیہ ادا کرو، تمہیں جان و مال کا مکمل تحفظ مل جائے گا، بصورتِ آخر میدان میں آؤ، تلوار ہمارے اور تمہارے درمیان فیصلہ کرے گی۔ چوتھی کوئی صورت موجود نہیں ہے!

آنحضورؐ کی دعوت کے بین الاقوامی مرحلے کا آغاز صلح حدیبیہ کے بعد سلاطین و ملوک کے نام دعوتی خطوط سے ہوا۔ بدبخت خسرو پرویز والیٔ ایران نے آنحضورؐ کے نامۂ مبارک کو چاک کردیا۔ قیصرِ روم چونکہ عیسائی تھا اسے آنحضورؐ کو پہچاننے میں قطعاً دیر نہ لگی، لیکن اس نے کوشش کی کہ جس طرح پہلے سلطنتِ رُوما نے اجتماعی طور پر عیسائیت قبول کی تھی اسی طرح اب بھی اجتماعی طور پر اسلام لے آیا جائے تاکہ پورا نظامِ مملکت جُوں کا تُوں قائم رہ سکے۔ لیکن اُسے اس میں کامیابی نہ ہوئی اور اس طرح وہ خود بھی دولتِ ایمان اور نعمتِ اسلام سے محروم رہ گیا۔ عزیزِ مصر بھی اگرچہ ایمان تو نہ لایا تاہم اُس نے آنحضورؐ کے ایلچی کے ساتھ اعزاز و اکرام کا معاملہ کیا۔ سب سے زیادہ اشتعال انگیز معاملہ شُرحبیل بن عَمرو والیٔ بُصریٰ نے کیا کہ حضورؐ کے ایلچی کو قتل کردیا۔ جس کے نتیجے میں پہلے جمادی الاولیٰ ۸ھ میں غزوۂ مُوتہ واقع ہوا اور پھر اگلے ہی سال یعنی ۹ھ میں تبوک کی مہم پیش آئی۔ یہ مرحلہ اسلام اور اہلِ ایمان کے لیے واقعتاً نہایت کٹھن تھا۔ اس لیے کہ جنگ وقت کی عظیم ترین عسکری قوت سے تھی اور بظاہر احوال معاملہ مولے اور شہباز کی لڑائی کا تھا۔ اس پر مستزاد یہ کہ عرب میں اجتماعی کی سخت قلت تھی اور قحط کا عالم تھا اور اب کھجور کی فصل تیار تھی اور اندیشہ تھا کہ اگر بروقت اُتاری نہ گئی تو یہ بھی تباہ ہو جائے گی۔ ادھر موسم انتہائی سخت گرمی کا تھا۔ الغرض اللہ تعالیٰ کی جانب سے اہلِ ایمان کے جذبۂ ایمانی کے امتحان کا بھرپور سامان کردیا گیا تھا۔ چنانچہ جس جس کے دل میں کوئی روگ تھا، یا نفاق جڑ پکڑ چکا تھا یا جذباتِ ایمانی میں ادنیٰ درجے کا اضمحلال بھی پیدا ہو گیا تھا اُن سب کا معاملہ ظاہر ہو گیا۔ اندریں حالات سفر پر روانگی سے قبل، سفر کے دوران اور پھر واپسی پر جو حالات و واقعات پیش آئے اور اُن پر تبصرہ کے طور پر جو خطباتِ الٰہی آیاتِ قرآنی کی صورت میں نازل ہوئے، اُن میں ایمان، ضعفِ ایمان اور نفاق

تینوں کے اوصاف و خصائص کی کامل وضاحت ابدالآباد تک کے لیے کردی گئی۔ صادقُ الایمان لوگوں کے لیے تو جیسا کہ سورۂ انفال میں واضح کر دیا گیا تھا، اس کے سوا کوئی راہ ہے ہی نہیں کہ وہ اللہ اور رسول کی ہر پکار پر فوراً لبیک کہیں اور نہ کسی تعلقِ دُنیوی کو اس راستے میں حائل ہونے دیں نہ کسی خوف یا خطرے یا اندیشے کو، اور اگر کوئی انہیں خطرات سے ڈرائے تو ان کا جواب یہ ہو کہ:

"کہہ دو ہم پر کوئی چیز وارد نہیں ہو سکتی سوائے اِس کے جو اللہ نے ہمارے لیے لکھ دی ہو۔ اور وہ ہمارا مولیٰ ہے اور اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہیئے اہلِ ایمان کو۔ کہہ دو کہ تم ہمارے بارے میں دو بھلائیوں کے سوا آخر اور کس چیز کی توقع کر سکتے ہو (یعنی ہم سب شہید ہو جائیں تب بھی ہمارے نزدیک تو یہ سب سے بڑی کامیابی ہے۔ اور اگر کامیاب لوٹ آئیں تو اسے تو تم بھی کامیابی قرار دو گے!)

یہ اس لیے کہ بفحوائے الفاظ آیت ۱۱۱:

"اللہ تعالیٰ اہلِ ایمان سے ان کی جانیں اور ان کے جملہ اموال پہلے ہی جنت کے عوض خرید کر چکا ہے"

گویا ایک مومنِ صادق تو منتظر ہوتا ہے کہ اب جو یہ جان و مال اللہ کی امانت کے طور پر اس کے پاس ہیں، کب اللہ انہیں وصول فرمالے اور وہ امانت کے اس بارِ گراں سے سبکدوش ہو جائے ــــ رہے کسی سبب سے وقتی طور پر ضعفِ ایمان میں مبتلا ہو جانے والے لوگ تو تین انصاری صحابہؓ کی سرگزشت کے ذریعے واضح کر دیا گیا کہ ایسے لوگوں سے جب کوئی تقصیر ہو جاتی ہے تو وہ جھوٹے بہانے نہیں بناتے بلکہ اپنا قصور تسلیم کر لیتے ہیں اور اصلاح کی کوشش کرتے ہیں چنانچہ اللہ بھی انہیں توبہ کی توفیق عطا فرماتا ہے۔ اور بالآخر اُن کی توبہ قبول کر لیتا ہے۔ اس کے برعکس ہے معاملہ منافقین کا۔ یہ اپنی کوتاہیوں پر جھوٹے بہانوں، حتیٰ کہ جھوٹی قسموں کا پردہ ڈالتے ہیں اور رفتہ رفتہ انہیں وہ لوگ بُرے لگنے لگتے ہیں جو اللہ اور اس کے دین کے غلبے کے لیے جان و مال کی بازیاں کھیل رہے ہوں۔ اس لیے کہ اس طرح اُن کی بے عملی، اور بُزدلی مزید نمایاں ہوتی ہے اور نوبت یہاں تک پہنچتی ہے کہ انہیں اسلام و ایمان اور مسلمین قانتین اور مومنینِ صادقین سے دشمنی اور عداوت ہو جاتی ہے اور تب اُن کے دلوں پر مہر کر دی جاتی ہے اور ان کی محرومی اور بدبختی اس درجہ کو پہنچ جاتی ہے کہ اُن کے

حق میں نبی کا استغفار بھی مفید نہیں رہتا بفحوائے الفاظِ قرآنی :

"اے نبی! آپ خواہ ان کے لیے استغفار کریں خواہ نہ کریں، اگر آپ ان کے لیے ستر بار استغفار کریں تب بھی اللہ انہیں معاف نہیں فرمائے گا، یہ اس لیے کہ انہوں نے درحقیقت اللہ اور اُس کے رسول دونوں کا کفر کیا ہے، اور اللہ ایسے فاسقوں کو راہ یاب نہیں کرتا!" اعاذنا اللہ مِنْ ذٰلِكَ!

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ!

# ایک تلخ اور ناخوشگوار معاملہ

از قلم: اسرار احمد

رمضان مبارک کے پرکیف لمحات میں جی تو نہیں چاہتا کہ کسی ذاتی تلخی کا زہر قارئین 'میثاق' کے سامعہ یا باصرہ میں گھولا جائے۔ لیکن کیا کیا جائے کہ زندگی کے تلخ حقائق کا مواجہہ بھی کرنا ہی پڑتا ہے۔ 'شمس الاسلام' بھیرہ نے اپنی حالیہ اشاعت میں پھر سبّ وشتم کے نئے نئے اسلوبوں پر طبع آزمائی کی ہے ہمیں اس کے مدیر شہیر اور فاضل مضمون نگار سے تو صرف یہ کہنا ہے کہ ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس ہدایت کے مطابق کہ " إِذَا كَانَ يَوْمُ صَوْمِ أَحَدِكُمْ فَلَا يَرْفُثْ وَلَا يَصْخَبْ فَإِنْ سَابَّهُ أَحَدٌ أَوْ قَاتَلَهُ فَلْيَقُلْ إِنِّي امْرُؤٌ صَائِمٌ " کم از کم رمضان مبارک کے دوران تو انہیں جواب دینے سے معذور ہیں ہی، ان شاء اللہ العزیز، بعد میں بھی ہماری ہر ممکن کوشش یہی ہو گی کہ ہمارا طرزِ عمل وہی رہے جو حضرت آدم علیہ السلام کے ایک بیٹے نے اپنے بھائی کے معاملے میں اختیار کیا تھا کہ " لَئِنْ بَسَطْتَ إِلَيَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِي مَا أَنَا بِبَاسِطٍ يَدِيَ إِلَيْكَ لِأَقْتُلَكَ " ___ البتہ ایک متنازعہ خط کے ضمن میں ہم آئندہ شمارے میں سردار محمد اجمل خان لغاری مدظلہ کے اصل خط کا عکس سردار صاحب موصوف سے معذرت کے ساتھ شائع کر دیں گے۔ اس کے بعد جہاں تک متنازعہ خط کا تعلق ہے وہ سردار صاحب موصوف اور 'شمس الاسلام' کی مؤقر برادری

کے مابین ہوگا۔ خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ یہ خط ہمارے پاس محفوظ تھا ورنہ حملہ جس جارحیت کے ساتھ ہوا تھا اس کا دفاع ہم ایسے ضعیف و ناتواں انسان کے بس میں نہ تھا!

سردار صاحب سے ہماری گذارش ہے کہ احقاقِ حق اور ابطالِ باطل میں ع "مصلحت نیست کہ از پردہ بروں آید راز!" کو آڑے نہ آنے دیں، ہمیں افسوس ہے کہ 'اصلاح ذات البین' کی ایک سعی محمود انہیں مہنگی پڑی، لیکن ہمیں یقین ہے کہ اس سے ان کے اجر و ثواب ہی میں اضافہ ہوگا۔

ویسے اس معاملے میں اعلیٰ ترین صورت اب یہ ہے کہ جس سے بھی سہو ہوا ہو وہ اعتراف کرلے اور "اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ" پر عمل نہ کرے اور پھر اس بحث کو بالکل بند کر دیا جائے، بصورتِ دیگر قرآن ہی میں یہ حقیقت بھی واضح کر دی گئی ہے کہ "لَا یُحِبُّ اللّٰہُ الْجَھْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ" لہٰذا اگر ہمیں "جہر بالسوء" پر مجبور کر دیا گیا تو اپنی طبیعت کی افتاد کے خلاف ہمیں بھی بات کھل کر کرنی ہوگی - اللہ کرے کہ اس کی نوبت نہ آئے،

"رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِیْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّکَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ" ۵


انبیاء کرام کے طریق دعوت اور نہج انقلاب کے موضوع پر

# مولانا امین احسن اصلاحی کی اہم تصانیف

## ۱- دعوتِ دین اور اس کا طریق کار

صفحات ۲۱۲، مضبوط جلد اور خوشنما ڈسٹ کور کے ساتھ: قیمت فی نسخہ -/۱۰

## ۲- اقامتِ دین کے لئے انبیاء کرام کا طریق کار

صفحات ۲۸، خوشنما کور کے ساتھ - قیمت فی نسخہ ۱/۲۵

شائع کردہ: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور

# مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

اور

# قرآن اکیڈمی کے

اغراض و مقاصد اور ان کے حصول کے لیے لائحہ عمل
کو تفصیل کے ساتھ سمجھنے کے لیے مطالعہ فرمائیں

# اسلام کی نشاۃِ ثانیہ

## کرنے کا اصل کام


تالیف :

ڈاکٹر اسرار احمدؒ

صدر موسس مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور



ڈاکٹر اسرار احمد (ناشر) نے بااہتمام چودھری رشید احمد (طابع) مکتبہ جدید پریس
شارع فاطمہ جناح سے چھپوا کر مرکزی مکتبہ تنظیم اسلامی ،
۳۶ - کے - ماڈل ٹاؤن - لاہور شائع کیا -

Regd. L. No. 7360

**Monthly MEESAQ Lahore**

| Vol. 26 | SEPTEMBER 1977 | No. 3 |
|---|---|---|



رمضان مبارک اور عید سعید کا بہترین تحفہ

’دعوت رجوع الی القرآن‘ کی اساسی دستاویز

**ڈاکٹر اسرار احمد کی مایۂ ناز تالیف**

# مُسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق

خود پڑھیں اور اعزہ و احباب کو تحفتہً پیش کریں !

ہدیہ فی نسخہ ۲/۰۰ (محصول ڈاک علاوہ)

شائع کردہ

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور